وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 01	ربیع الاوّل 1435ھ	جنوری 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ النبا	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	سقوطِ ڈھاکہ	جنرل مرزا اسلم بیگ	16
5	فرقہ واریت.....	محمد نذیر یاسین	20
6	.....حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات	ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر	31
7	شعب ابی طالب میں	مسٹر کونسٹن ویرژیل	34
8	ہمارا سلطان سلیمان عالی شان	ذوالفقار احمد چیمہ	50
9	آئینۂ حکمت بالغہ 2013ء		56
10	The Farewell Pilgrimage	Martin lings	64

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ النبا 78، آیات 17-30﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا O

بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے

یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا O

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ فوج در فوج آ موجود ہو گے

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا O

اور آسمان کھولا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہو جائیں گے

وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا O

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے

اِنَّ جَھَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا O

بے شک دوزخ گھات میں ہے

لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا O

(یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا O

اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا O

وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا)

اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا O

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ

جَزَآءً وِّفَاقًا O

(یہ) بدلہ ہے پورا پورا

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا O

یہ لوگ حساب (آخرت) کی اُمید ہی نہیں رکھتے تھے

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا O

اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے رہتے تھے

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا O

اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا O

سو (اب) مزہ چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

اس رسالہ میں قرآن مجید کی مقدس آیات اور احادیث مبارکہ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فانْ لَمْ تَجِدُوا فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ

''دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کو صدقہ کرنے) سے، اگر تمہیں یہ نہ حاصل ہو تو اچھی بات کے ذریعے سے'' (متفق علیہ، عن عدی رضی اللہ عنہ)

اِتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَاِنَّهَا تَصْعَدُ اِلَى السَّمَاءِ كَأَنَّهَا شَرَارَةٌ

مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ یہ آسمان کی طرف ایسے چڑھتی ہے جیسے انگارہ ہو (مستدرک، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

اِتَّقُوا هٰذِهِ الْمَذَابِحَ يَعْنِي المَحَارِيبَ

''ان ذبح ہونے کی جگہوں یعنی مجلسوں کے صدر مقام پر بیٹھنے سے بچو'' (بیہقی، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

الجَامِعُ الصَّغِيْر فی احاديث البشيروالنذير، للامام جلال الدين السيوطی رحمه اللّٰه

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1

اس شمارے میں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے دو تحریریں شامل ہیں۔ ایک رومانیہ کے مسٹر کونسٹن ویرژیل کی کتاب 'سیرتِ محمد ﷺ' سے ہے۔ اس کتاب پر سیارہ ڈائجسٹ نے پہلے خصوصی عکس سیرت نمبر شائع کیا تھا بعد میں یہ تحریر کتابی شکل میں 'عکس سیرت' کے نام سے ملتی ہے۔ یہ کتاب موصوف نے اسلام لانے سے قبل لکھی تھی اور حضرت محمد ﷺ کے حالاتِ زندگی کو جاننے اور اسلام، قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی باتوں کو صحیح انداز میں سمجھنے کے لیے حجاز کا سفر کیا اور گزشتہ صدی کے درمیانی عرصے میں حجاز میں رہ کر عرب کے حالات کا مطالعہ کیا۔ وہاں کے طور طریقے رہن سہن کا انداز، عربی زبان اور اس کے حقیقی استعمالات کا ادراک کیا اور پھر سیرت النبی ﷺ پر یہ کتاب لکھی اور حالات کا بہت حد تک صحیح انداز میں جدید خطوط پر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق قلم اُٹھایا۔ ہمارے ہاں قدیم کتابوں میں یہ تذکرہ ملتا ہے مگر ان کا انداز تحریر بھی پرانا ہے۔ جدید سیرت نگار حضرات، مصنّفین اور دانشور حضرات کی اکثریت نے بالعموم صرف ڈکشنری اور تاریخ و جغرافیہ کی سطحی معلومات کے ساتھ دینی موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے جس کی وجہ سے بالعموم چودہ صدیاں قبل کے لسانی، ثقافتی، سماجی، علاقائی، زمانی اور ماحولیاتی حقائق کا کما حقہ ادراک کر کے ان کا صحیح ابلاغ کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ مصنف نے اس کام کا بڑی حد تک حق ادا کیا ہے۔ یہ کتاب عرصے سے پاکستان میں متعارف ہے مگر عام نہیں ہے۔ عزت مآب

مصنف بعد میں اسلام قبول کر کے مسلمان بھی ہو گئے تھے لہٰذا وہ ہمارے لیے بہت ہی قابل احترام ہیں۔ دوسری تحریر MARTIN LINGS (ابوبکر سراج الدین) کی کتاب "MUHAMMAD" سے ہے۔ قارئین حکمت بالغہ کے لیے یہ تحریریں ان شاء اللہ آپ ﷺ سے محبت اور دلی لگاؤ میں اضافے کا موجب بنیں گی۔

2

ماہِ دسمبر میں 16 تاریخ گزشتہ سالوں کی طرح اس دفعہ بھی آئی ہے، سقوطِ مشرقی پاکستان کو 42 سال ہو گئے۔ اب پرانے لوگ جو اس سانحہ کے وقت جوان تھے، بھی گھٹتے جا رہے ہیں۔ پھر اس عمر کے لوگوں میں کم ایسے ہیں جو دینی اور ملّی جذبہ بھی رکھتے ہیں اور جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کی تاریخ پر نظر بھی۔ ایسے ہی بیدار نفوس کے لیے یہ دن 16 دسمبر 1971ء کی یاد دلاتا ہے جب مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا نہ صرف الگ ہوا بلکہ اس نے اسلامی شناخت اور لفظ پاکستان بھی خلیج بنگال میں پھینک دیا ورنہ دنیا میں ایک ہی نام کے دو دو ملک موجود ہیں، جیسے شمالی کوریا جنوبی کوریا، شمالی ویت نام جنوبی ویت نام وغیرہ مگر وہ نام پر اپنا استحقاق برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

تاہم اس دفعہ کا سقوطِ ڈھاکہ کی روح فرسا یاد دلانے والا 16 دسمبر کا یہ دن کچھ اس طرح آیا کہ نہ صرف زخموں کو تازہ کر گیا بلکہ ان پر نمک بھی چھڑک گیا۔

ہماری مراد 1970ء-1971ء کے دوران پاکستان کے حامی عناصر اور جماعتوں میں جماعت اسلامی کے ایک فرد جناب عبدالقادر ملا رحمۃ اللہ علیہ کو 15 دسمبر کو اس دور میں پاکستان کی حمایت کرنے پر پھانسی کی سزا سنا کر اس پر عمل درآمد کر دیا گیا۔

ہمارے نزدیک سقوطِ ڈھاکہ کی غمگینی میں اضافہ کے لیے یہ دن خاص طور پر چنا گیا ہے۔ افسوس کہ ہمارے ہاں نہ 1971ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد کسی نے زندگی میں انفرادی طور پر یا سیاسی، مذہبی قیادت نے اجتماعی طور پر اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کی اور اس عظیم سانحہ کا اثر لیا، نہ اس سانحہ کے پیچھے اسباب کا جائزہ لے کر اپنی غلطیوں کو تسلیم کیا اور نہ اب 42 سال بعد بھی اس طرف کوئی توجہ ہے۔ ملکی حالات، میڈیا، اخبارات، عوامی

مصروفیات اور اہل علم و دانش بالعموم اپنے 'حال' میں مست ہیں نہ 'ماضی' کا احساس ہے اور نہ مستقبل کی فکر، چاہے مستقبل قریب ہو یا بعید یعنی آخرت۔

3

بنگلہ دیش میں جناب عبدالقادر ملا رحمۃ اللہ علیہ کی سزائے موت

جناب عبدالقادر ملا رحمۃ اللہ علیہ کو پھانسی کی سزا بنگلہ دیش کا کوئی داخلی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت کا ہے جب پورا پاکستان ابھی قائم تھا۔ اگر سقوطِ ڈھاکہ سے پہلے پاکستان کی حمایت ایک 'جرم' بنا ہے تو یہ جرم ہم تمام پاکستانی شہریوں کا جرم ہے اور یہ سزائے موت دراصل نظریۂ پاکستان، اسلامی تعلیمات، دین اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے پیغام سے نفرت کا اظہار ہے۔

ہمارے نزدیک (ہمارے اپنے ملک کی طرح) ہمارے برادر ملک بنگلہ دیش کے مسلمان عوام اسلام سے محبت، اسلام پر عمل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و احترام کا وافر جذبہ رکھتے ہیں۔ صرف ملک کا حکمران طبقہ اور اشرافیہ اپنے مفادات کی خاطر اسلام دشمنی اور دین دشمنی کا اظہار کرتی ہے۔ عالمی سطح پر خارجی حالات میں عالمی اور علاقائی طاقتوں کا دباؤ بعض حالات میں ناقابل برداشت ہو جاتا ہے ہمارے نزدیک بنگلہ دیش حکومت کا عالمی (اور پڑوسی ملک بھارت کا) دباؤ برداشت نہ کر سکنا ـــــ ہی اصل المیہ ہے۔

بنگلہ دیشی حکومت کی نہ معلوم کون سی سیاسی، معاشی، سماجی اور علاقائی کمزوری ہے کہ وہ خارجی دباؤ برداشت نہ کر سکی ورنہ اسی جنوبی ایشیا میں افغانستان میں جناب حامد کرزئی کی حکومت ہے اور اس حکومت کا امریکہ کا مرہونِ منّت ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے مگر جس طرح 'امن معاہدہ' پر فوری دستخطوں کے معاملے میں افغان حکومت ڈٹ گئی ہے، یہ عمل بظاہر تمام مسلمان حکمرانوں کے لئے قابل تقلید بھی ہے اور عوامی سطح پر قابل داد بھی۔

ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں ـــــ تو سقوطِ ڈھاکہ کے 42 سال بعد 1971ء میں 'پاکستان' کی حمایت کے جرم میں یہ سزائے موت کا عمل ـــــ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کا وہ جذبہ جو مغربی استعمار کے 1857ء میں ظالمانہ انداز میں مکمل غلبے کے نتیجے میں پیدا ہوا اور گزشتہ ڈیڑھ صدی میں اپنا راستہ بناتے ہوئے اب منطقی انتہا کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مسلمانوں کے راستے میں یورپی مغربی عالمی استعمار اور اس کے ظالمانہ صہیونی ہتھکنڈے (رومن لا اور سیکولرازم) تو تھے ہی ـــ مقامی طور پر ہندو استعمار (IMPERIALISM) بھی مستقبل کے سہانے خواب آنکھوں میں سجائے 'آزادی' کی بجائے مغربی استعمار کا ساتھ دے رہا تھا اور وہی نقشہ آج بھی قائم ہے۔

جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری نہ مغرب طاقتوں (P5+1) کو پسند ہے نہ بھارت کو اور ماضی پر نگاہ ڈالیں تو کم از کم گزشتہ ایک صدی کی مسلم بیداری کی لہر نے جو کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کی ہیں وہ صرف اہم ہی نہیں ہیں بلکہ لائق صد تحسین بھی ہیں اور مغربی طاقتوں اور بھارت کی نیندیں اُڑانے کے لئے کافی ہیں اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی بیداری کی یہ لہر ابھی زوروں پر ہے۔

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی اس جدوجہد میں کچھ کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں (جیسے 1971ء سے قبل مغربی پاکستان کی سیاسی قیادت اور فوج کا مشرقی پاکستان کے مسائل کو نظرانداز کرنا وغیرہ) اور کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔ کوتاہیوں کا ہمیں ادراک کر کے اعتراف کرنا چاہئے اور مجبوریوں سے گلوخلاصی کی کوشش کرنی چاہئے۔

قیام پاکستان کے بعد کے حالات پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو جیسے قیامِ پاکستان ایک معجزہ تھا اسی طرح اس کی بقا بھی دوستوں اور دشمنوں دونوں کی نگاہ میں ایک 'معجزہ' سے کم نہیں ہے۔ چند حقائق صرف یاددہانی کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہارِ تشکر کے لئے پیش خدمت ہیں:

1۔ پاکستان کے قیام میں ان صوبوں کے مسلمانوں نے نمایاں، سرگرم اور مؤثر حصہ لیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور انہیں معلوم تھا کہ قیامِ پاکستان کی صورت میں انہیں مسلم اکثریت کے علاقوں میں جانا ہوگا۔ دہلی، یوپی، بہار اور وسطی ہند کے مسلمانوں کو بالآخر وطن چھوڑ کر پنجاب سندھ وغیرہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی یا مشرقی بنگال کی طرف ان خوشحال صوبوں کے مسلمانوں کی یہ قربانی قابل داد ہے۔

2۔ مسلم اکثریت کے صوبوں نے بھی کمال 'اُخوت' کا مظاہرہ کیا اور اپنے مہاجر

بھائیوں کو کشادہ دلی کے ساتھ قبول کیا اور احترام بھی کیا۔

3۔ چونکہ دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے کئی صدیوں سے سیاسی اور معاشی مراکز تھے لہٰذا تجارت، تعلیم، علم، درسگاہیں اور بڑی شخصیات بھی وہیں تھیں اس کے باوجود مسلم اکثریت ان صوبوں میں تھی جو دہلی کے ترقی یافتہ ماحول سے بہت دور تھے جیسے سندھ، بلوچستان اور بنگال پنجاب وغیرہ۔

4۔ پاکستان 1947ء میں دو حصوں پر مشتمل تھا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان اور درمیان میں 1500 کلومیٹر کا فاصلہ حائل تھا جو صرف اور مکمل طور پر دشمن ملک بھارت پر مشتمل تھا سمندری رابطے کا راستہ بھی مکمل طور پر بھارت کے رحم و کرم پر تھا۔

5۔ مغربی اور مشرقی پاکستان نظریاتی وحدت کے باوجود جغرافیائی طور پر الگ تھے قدرت نے ان دو 'جڑواں' پیدائشی بھائیوں کو ایک ناپسندیدہ آپریشن کے ذریعے الگ کرا دیا تاکہ دونوں کے بیک وقت مرنے کی بجائے دونوں الگ الگ زندہ رہیں ـــــ اور الحمدللہ زندہ ہیں۔

6۔ یاد رہے کہ پاکستان (مغربی ہو یا مشرقی) 1947ء میں بھی دنیا کی تمام مغربی طاقتوں، بھارت اور صہیونیت کے لئے ایک کانٹا تھا اور مسلسل کانٹا ہی رہا ہے اور اب بھی ہے اور جنگوں کے درمیانی عرصے میں بھی گرم جنگوں سے بدتر صورت حال سے دوچار رہا ہے۔ اب بھی پاکستان اور بنگلہ دیش بیک وقت 70 برس سے مسلسل تمام عالمی طاقتوں اور پڑوسی بھارت سے نبرد آزما ہیں۔

دشمن سے جنگ کے لئے آج فضائیہ (AIR-FORCE) کی طاقت دفاع کے لئے بھی بہت اہم ہے اور فتح کے لئے بھی دشمن کی فضائیہ کی طاقت کا مقابلہ کرنا ہو یا خود دفاع کرنا ہو ایک خاص قسم کی ملکی ساخت یا ملک کا نقشہ درکار ہے۔ جنگی نقطہ نظر سے اسے دشمنی کے مقابلے میں ملک کی لمبائی کے ساتھ ساتھ اس کی چوڑائی بھی درکار ہے تاکہ دشمن کے جہازوں کا جنگ میں مقابلہ کیا جا سکے۔ مغربی پاکستان کی STRETIGICAL DEPETH بھارت کے مقابلے میں خطرناک حد تک کم تھی اور ہے مثلاً پاکستان کی فضائیہ کو بھارت پر حملہ کی صورت میں 1500 کلومیٹر دشمن کا علاقہ ملے گا اور کہیں پناہ ملنے کی توقع نہیں ہے جبکہ بھارت کے جہازوں کے لئے حملہ کی صورت میں واپسی کا راستہ نہ رہے تو تھوڑی پرواز کر کے ایران جا سکتے ہیں یا افغانستان جا سکتے

ہیں۔ یاد رہے کہ ستمبر 1965ء کی جنگ میں اسی وجہ سے پاکستان کی فضائیہ کا ایران سے تعاون تھا جس سے جنگ جیتنے میں مدد ملی۔

اللہ تعالیٰ نے 71ء کے سانحہ کے فوراً بعد اس پاکستان کی حفاظت کے لیے افغانستان کی وہ حکومت (ظاہر شاہ کی حکومت جس نے اکیلے 1948ء میں UNO میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی) ختم کرادی اور چند سال مغربی صہیونی استعمار کی ضرورت کے مطابق پاکستان میں امن رہا ـــــ USSR جیسی استبدادی طاقت کا ہوسِ ملک گیری کا نشہ ختم ہو گیا۔ روس شکست کھا گیا اور افغانستان میں نئی حکومت آئی تو افغانستان پاکستان دو برادر مسلمان ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے طویل کے ساتھ 'عریض' پاکستان کی ضرورت پوری کر دی اور حالات بھی ایسے پیدا کر دیے کہ دونوں یک جان دو قالب بن گئے۔

7۔ دشمن کو یہ صورتِ حال کبھی پسند نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی اثناء میں 1998ء میں پاکستان کو 'ایٹمی پاکستان' بنا دیا۔ بنگلہ دیش کے ہمارے ساتھ تعلقات اچھے ہوتے تو وہ بھی اسی عرصے میں ایٹمی طاقت بن جاتا اور آج بھارت سے سر اُٹھا کر بات کر سکتا تھا۔ اب عالمی مغربی صہیونی طاقتوں اور ان کے زیر اثر بھارت کو تشویش لاحق ہو گئی اور راتوں کی نیندیں اُڑ گئیں تا آنکہ نائن الیون کا سانحہ رونما ہو گیا اور اسی بہانے سے دنیا کی واحد زمینی سپر طاقت امریکہ پھر خطے میں آ گھسا۔

8۔ 2001ء سے 2010ء کا عرصہ صہیونی طاقتوں اور پاکستان دشمن قوتوں کے لئے بڑا اہم ہے امریکہ نے اپنے ساتھ NATO ممالک کو شامل کر کے نئے ملک افغانستان اور طالبان سے جنگ کا آغاز کیا اور تجزیے یہ تھے چند ہفتوں میں جنگ ختم ہو جائے گی۔ مگر 2010ء تک جنگ میں ہزاروں فوجی مروانے اور ہزاروں زخمیوں کے علاوہ ہزاروں خودکشیوں کے ساتھ امریکہ اور NATO ممالک کی افواج نے وہاں سے واپسی کا ارادہ ظاہر کر دیا۔ حالانکہ پاکستان کے حکمران اور اشرافیہ ان سالوں میں امریکہ کے سامنے سجدہ ریز تھے اور جی حضوری اور چاکری پر نازاں تھے۔

2010ء کے بعد سے جاری فوجی انخلاء اب 2014ء میں مکمل ہونا ہے۔ تاہم یہ سوال میڈیا کے حل کرنے کا ہے کہ امریکہ اور NATO افواج اس افپاک (AFGHANISTAN-PAKISTAN) خطہ سے جا رہی ہیں تو کیا:

☆ اُنہوں نے مقاصد حاصل کر لئے ہیں؟

☆ جنگ جیت لی ہے؟

☆ افغانستان کو امریکہ کی ایک نئی ریاست (56th STATE) بنالیا ہے؟

یا

☆ شکست ہو چکی ہے؟

☆ بھاگ کر جا رہے ہیں؟

☆ افغان طالبان سے واپسی کا محفوظ راستہ مانگ رہے ہیں؟

☆ امریکہ کی اپنی مرضی کی حکومت جو حامد کرزئی کی سربراہی میں ہے وہ بھی مستقبل میں اپنے تحفظ کے لئے امریکی دستوں کی موجودگی ضروری سمجھتی ہے۔ جو حکومت امریکی اور NATO افواج کی موجودگی میں پورے افغانستان پر اپنی WRIT قائم نہیں کر سکی وہ امریکی فوجی انخلاء کے بعد کتنے دن چلے گی؟ ـــــ یقیناً نہیں چلے گی۔

9۔ امریکی انخلاء کے بعد ملک بھارت کا کیا ہوگا؟ ایک عشرہ پہلے بھارت کو خیال تھا امریکہ اور NATO کا ساتھ دے کر علاقہ میں ایک طاقت بن جاؤ۔ جب امریکہ اور NATO افواج چلی جائیں گی تو علاقہ میں اپنا ایک مقام بن جائے گا۔ اب امریکی فوجی انخلاء کے بعد افغانستان پر کن کی حکومت ہوگی یہ حالات ہی بتائیں گے۔ بھارت کی پوزیشن کیا ہوگی یہ مستقبل کی بات ہے۔

10۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان اور افغانستان کے تعاون کی صورت میں جو 'خطہ' مسلمانوں کو عطا کر دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی گزشتہ ایک صدی کی بیداری کا ثمر ہے اور یہ خطہ عالمی سطح پر ایسی STRETIGICAL POSITION کا حامل ہے کہ دنیا پریشان ہے۔

11۔ پاکستان افغانستان کا یہ خطہ ماضی میں بھی اہم رہا ہے اور اب اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی اپنی اہمیت منوا کر اپنا مقام حاصل کرنے والا ہے۔

☆ ماضی میں اسی خطے میں افغانستان کے راستہ یونان کا اسکندر 328 ق م آیا تھا مگر شکست

سے دوچار ہوکر واپس چلا گیا۔

☆ گزشتہ صدی میں برطانیہ مسلم بیداری کے نتیجے میں جنوبی ایشیا سے نکلا اور جلد ہی بطور عالمی سپر طاقت ختم ہوگیا۔

☆ 1947ء میں ہندو نے پاکستان کو وقتی طور پر اس لیے تسلیم کرلیا تھا کہ روس (USSR) کے سوشلسٹ انقلاب کا راستہ روکے گا قدرت نے اسی پاکستان کو استحکام دے کر عزت بخش دی۔

☆ روس نے بھی ایک عالمی طاقت ہونے کے زعم میں اس علاقے میں قدم رکھا تھا مگر ـــــــ اس کا حشر ساری دنیا کے سامنے ہے۔

☆ اب امریکہ اور نیٹو ممالک تمام مل کر بھی اس افپاک (AF-PAK) خطہ کو قابو نہیں کر سکے اور انگور کھٹے ہیں سمجھ کر یہاں سے جارہے ہیں۔ اس انخلاء کے پس پردہ افپاک خطہ کو قابو کرنے کے فیصلے کا نتیجہ امریکی معیشت کا 2009ء سے مسلسل جھٹکے کھانا ہے، جواب سنبھلنے کی بجائے خرابی کی طرف گامزن ہے۔ اہل علم اور اہل نظر اس حقیقت سے خوب واقف ہیں۔ مزید اطمینانِ قلب درکار ہے تو انٹرنیٹ کے درج ذیل ایڈریس پر موجود ویڈیو ملاحظہ فرمالیں۔
(http://www.patriotsurvivalplan.com/)

☆ یہ خطہ گزشتہ ایک صدی میں صرف مسلم بیداری کے نتیجے میں تین عالمی مغربی سپر طاقتوں کو شکست کے بعد ٹکڑے ہونے اور زوال سے دوچار کر چکا ہے۔

12۔ جہاں تک بھارت کا تعلق ہے اسے تاریخ سے خود سبق سیکھنا چاہئے اور زمینی حقائق کا ادراک کرنا چاہئے۔ ماضی قریب کو سامنے رکھنا چاہئے اور پاکستان کی STRETIGICAL POSITION کو مدنظر رکھ کر کوئی پالیسی بنانی چاہئے۔ امریکی فوجی انخلاء کے بعد کے حالات میں بھارت کا جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو ستانے کا عمل کسی اچھے مستقبل کی نوید نہیں ہے۔ یہ بات جذباتی نہیں ہے اعداد و شمار اور ٹھوس حقائق یہی بتا رہے ہیں۔

13۔ پاکستان کا محل وقوع

پاکستان کا محل وقوع ایسا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کے جنوب میں مشرق و مغرب کے درمیان قدرت نے ایک لکیر کھینچ دی ہے کہ کوئی طاقت پاکستان سے تعلقات رکھے بغیر مشرق وسطیٰ، روسی

ترکستان اور وسطی ایشیا کے لئے زمینی راستہ نہیں پا سکتی۔

شمال مغرب کے معاملے میں بھی چین کیلئے پاکستان ایک ضرورت ہے اور شاہراہِ ریشم (SILK ROUTE) کی تجارتی شاہراہ پانچ ہزار سال سے قائم ہے جو پاکستان کا حصہ ہے۔ چین کیلئے ہانگ کانگ سے بحری راستے کے ذریعے عرب امارات اور یورپ کی منڈیوں تک رسائی کے مقابلے میں زمینی راستے سے ملک بھر کی فیکٹروں سے کنٹینروں (CONTAINERS) کے ذریعے مال ساحلی بندرگاہ گوادر پہنچا دینا کہیں سستا ہے۔ دونوں طرح پاکستان کی اہمیت بہت واضح ہے۔

☆ جنوبی ایشیا کے مسلمان

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی گزشتہ ایک صدی کی محنت سے برطانوی ہند سے آزادی ایک بڑی کامیابی ہے۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا یہ سارا تجدیدی کام اب پاکستان کے پاس ایک امانت ہے اور باقی ممالک ان شاءاللہ وقت آنے پر اسی ملک پاکستان کا ساتھ دیں گے۔ پاکستان بننے کے بعد 1948ء کے یومِ آزادی کے موقع پر 25 اسلامی ممالک کے فوجی دستے آزادی کی تقریبات میں شامل ہوئے تھے اور 1949ء میں 33 ممالک کے فوجی دستے۔ اب پون صدی بعد بھی اگر حالات بدلیں تو عالم اسلام پاکستان کے اسلامی جذبے کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ساری دنیا کے لوگوں کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص معلوم ہے کہ جو ملک امریکہ اور NATO فورسز کے مشترکہ اقدامات سے زیر نہیں ہو سکا وہ بھارت یا کسی اور علاقائی طاقت کے سامنے کیا سر جھکائے گا اور کون اس ملک کو زیر کر سکے گا۔

☆ جنوبی ایشیا کے ممالک کی آبادی

جنوبی ایشیا میں اس وقت یہ ممالک شامل ہیں:

افغانستان پاکستان بھارت سری لنکا مالدیپ بنگلہ دیش نیپال بھوٹان برما

ان ممالک کی کل آبادی اور مسلم آبادی کا گوشوارہ سامنے رکھ کر قارئین خود اندازہ لگا لیں کہ مجموعی طور پر جنوبی ایشیا میں مسلم آبادی کا تناسب کیا ہے اور اکیسویں صدی میں کونسا قانون ہے جو اس آبادی کو دبا کر زیادہ دیر اقلیت بنا کر رکھ سکے گا۔ جبکہ جذبہ کے لحاظ سے

جنوبی ایشیا کے مسلمان 1947ء میں بھی کم نہیں تھے اور اب امریکی انخلاء کے نتیجے میں جذبوں کو مزید جلا مل جائے گی۔

13۔ جنوبی ایشیا میں آج بھارت بڑی طاقت ہے مگر مسلم آبادی اور عالم اسلام کے ساتھ خوش گوار تعلقات کے پہلو کو نظر انداز کر کے بھارت جو فیصلے کرے گا (جیسے جناب عبدالقادر ملا کی پھانسی) تو حالات کو 'غزوۃ الہند' کی جانب جانے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

4

جنوری 2014ء کے اس شمارے کی اشاعت سے حکمت بالغہ اپنے مشن کے سات سال مکمل کر کے آٹھویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ اس عرصے میں حکمت بالغہ کے ذریعے جو کچھ بھی دین کی خدمت بن آئی ہے وہ سراسر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت کا نتیجہ ہے۔ آئندہ بھی جو 'خیر' کا کام ہو سکے گا ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی دست سوال دراز کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے رکھے۔ آمین

قارئین حکمت بالغہ سے بھی گزارش ہے کہ اپنی قیمتی آراء اور مشورے ہمیں ضرور ارسال کرتے رہیں تا کہ ہم ان سے استفادہ کر کے اپنی مساعی کو زیادہ خوبصورت اور نتیجہ خیز بنا سکیں۔

گزشتہ سال سے جاری 'یورپ پر اسلام کے احسانات' کے عنوان سے مضامین کا سلسلہ ابھی جاری ہے ان شاءاللہ اس سلسلہ کو بایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ وما توفیقی اِلا باللہ

5

''صہیونیت ___ قرآن مجید کے آئینے میں'' کے عنوان سے سلسلہ مضامین کو اب کتابی شکل میں طبع کرا لیا گیا ہے ان شاءاللہ جلد ہی وہ قدر دانوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں حالات کی صحیح تصویر واضح فرما دے تا کہ اُمت مسلمہ دوست اور دشمن کو پہچان کر قیامِ نظامِ خلافت کی منزل کی طرف اپنا سفر ایمان اور آفاقی جذبے سے جاری رکھ سکے۔ آمین

سقوطِ ڈھاکہ

(16 دسمبر 1970ء)

جنرل مرزا اسلم بیگ

سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان

16 دسمبر کو پاکستان میں سقوطِ ڈھاکہ کے المیہ پر ملک بھر میں بے شمار جگہوں پر تقریبات ہوتی ہیں، اس المیہ کے اسباب کا ذکر ہوتا ہے، مقالے پڑھے جاتے ہیں اور ملک کے دانشور اپنے خیالات کا بڑے پرزور الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم کو اس سانحے پر بڑا دکھ ہے اور قوم اس سے سبق سیکھنا چاہتی ہے اور ملک کی تقسیم سے نظریہ پاکستان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس پر پشیمان ہے اور اس نظریے کی مضبوط حصار بندی کی ضرورت سے آگاہ ہے۔ دراصل یہ تمام باتیں خودفریبی ہے جس میں ہماری سیاسی جماعتیں اور سول و عسکری بیوروکریسی برابر کی شریک ہے۔ یہ حقیقت بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے راہنما مولانا عبدالقادر ملا کو پھانسی دینے سے عیاں ہوگئی ہے جنہیں اس جرم میں پھانسی دے دی گئی کہ انہوں نے 1971ء میں مشرقی پاکستان میں جب ہماری فوج وہاں حکومت کی رٹ قائم کرنے کے لیے جنگ لڑ رہی تھی تو جماعت اسلامی نے البدر کے نام سے اپنی عسکری تنظیم بنائی جس نے پاک فوج کے شانہ بشانہ پاکستان کی جنگ لڑتے ہوئے بڑی قربانیاں دیں۔ مولانا عبدالقادر ملا پر الزام ہے کہ البدر کا حصہ ہوتے ہوئے، جن کی عمر اس وقت 21 سال تھی، انہوں نے بنگالیوں پر ظلم کیا، انہیں قتل کیا اور خواتین کی بے حرمتی کی۔ ان الزامات کی بنیاد پر انہیں اور دوسرے جماعت اسلامی کے قائدین کو اس عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جسے جنگی جرائم کے خلاف انٹرنیشنل ٹرائل کورٹ کا

نام دیا گیا جبکہ اس عدالت میں تینوں جج بنگالی تھے اور جس طرح شہادتیں پیش کی گئیں اور کئی سالوں تک استغاثہ ہی کے ہاتھوں ''جنگی مجرموں'' کے خلاف کارروائی ہوتی رہی اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ اس ظالمانہ فیصلے کے خلاف حکومت پاکستان نے اعتراض کا ایک لفظ بھی نہ بولا، بلکہ یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ ''یہ بنگلہ دیش کا اندرونی مسئلہ ہے''۔

یہ بنگالیوں کا اندرونی معاملہ نہیں ہے بلکہ نظریۂ پاکستان کے تقدس کا معاملہ ہے۔ پاکستان کی سلامتی کا معاملہ ہے۔ اس لئے کہ ہمارا مشرقی پاکستان کا علاقہ کہ جہاں مسلم لیگ ایک جماعت کی حیثیت سے معرض وجود میں آئی تھی اور جہاں کے مسلمانوں نے یک زبان ہوکر پاکستان کے حق میں ووٹ دیا آج ہم ان سے اس قدر بیگانہ ہو چکے ہیں کہ ہم اپنے ہم وطنوں کی ان قربانیوں کو بھی بھلا بیٹھے ہیں کہ جنہوں نے ہماری فوج کے ساتھ مل کر ملک کی بقا کی جنگ لڑی، قربانیاں دیں، جس طرح ہمارے فوجی جوان اور آفیسر اس جنگ میں شہید ہوئے اور ان میں اکثر وہاں گمنام قبروں میں دفن ہیں۔ ہماری حکومت نے ان کے جسد خاکی کو پاکستان لانے کی ایک موہوم سی کوشش بھی نہیں کی جبکہ ویتنام کی جنگ ختم ہونے کے نصف صدی گزرنے کے بعد بھی امریکہ اپنے گمنام سپاہیوں کو تلاش کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس قوم کو حب الوطنی کے معنی معلوم ہیں۔

تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ سقوط ڈھاکہ پر مگرمچھ کے آنسو بہانے کی بجائے ان ہم تلخ حقائق کا جائزہ لیں جن کے سبب ہمیں مشرقی پاکستان میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ خرابیاں تو پاکستان بننے کے بعد ہی واضح ہوگئی تھیں جن کا احاطہ کرنا تفصیل طلب ہے اس لئے صرف 1971ء سے مختصر تجزیہ ضروری ہے۔ 1970ء میں جنرل یحییٰ خان نے انتخابات کرائے جن کے نتیجے میں ملک سیاسی اعتبار سے تقسیم ہوگیا۔ اس تقسیم کو سیاسی حکمت عملی سے دور کیا جاسکتا تھا لیکن دانستہ طور پر طاقت کے زور پر اسے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ذرا غور کیجئے کہ جنرل یحییٰ خان جنوری 1971ء میں ڈھاکہ جاتے ہیں اور وہاں جھوٹا اعلان کرتے ہیں کہ قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس 9 مارچ کو ڈھاکہ میں ہوگا۔ اسلام آباد واپس آتے ہی اپنا وعدہ بدل دیتے ہیں۔ انہوں نے قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کر دیا اور نئی شرائط عائد کر دیں۔ اس وعدہ خلافی پر مشرقی پاکستان

میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور احتجاج کو دبانے کے لیے 25 مارچ کو پورے مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا۔ ہماری مغربی پاکستان کی اعلیٰ سیاسی قیادت نے سکھ کا سانس لیا کہ ''خدا کا شکر ہے کہ پاکستان بچ گیا۔'' جبکہ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ برا وقت آنے والا ہے۔

مشرقی پاکستان میں مزید فوج کی ضرورت ہوئی تو ہمارا 9 ڈویژن کھاریاں سے ہوائی جہازوں کے ذریعے 30 مارچ تک ڈھاکہ پہنچا اور سلہٹ سے لے کر چٹاگانگ تک ذمہ داری سنبھال لی۔ ہمارے پاس صرف رائفل اور لائیٹ مشین گنیں تھیں نہ توپ خانہ تھا اور نہ ہی ٹینک۔ اس طرح وہاں کل چار ڈویژن فوج نے مارچ سے اگست تک صرف پانچ ماہ کی مدت میں پورے مشرقی پاکستان پر حکومت کی رٹ قائم کر دی اور شہروں، اور قصبوں میں گھروں پر پاکستانی پرچم نظر آنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ہمارے جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل شوکت رضا جو کہ عسکری دانشور مانے جاتے تھے، انہوں نے جنرل نیازی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کیں کہ ''فوج نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے اس لئے لازم ہے کہ اب سیاسی عمل شروع کیا جائے اور سول انتظامیہ اپنی ذمہ داریاں سنبھال لے۔'' جنرل نیازی اس بات پر ناراض ہو گئے، جنرل شوکت رضا نے بھی سخت الفاظ میں اپنا موقف بیان کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جنرل شوکت رضا کو کمان سے ہٹا دیا گیا۔ چند دنوں بعد مجھے بھی مغربی پاکستان بھیج دیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ جی ایچ کیو کی سوچ بھی وہی تھی جو جنرل نیازی کی تھی۔ اس سوچ کے نتیجے میں ہمیں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ہمارے چاروں ڈویژن کی نفری جو تقریباً پچاس ہزار تھی، اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ (نوے ہزار فوجی قیدیوں کی جو بات کی جاتی ہے وہ غلط ہے)۔ اپنے دور اقتدار میں جنرل پرویز مشرف بنگلہ دیش گئے اور یادگار پر پھول چڑھائے اور ''غلطیوں کی معافی مانگی۔'' کون سی غلطیاں؟ کیا وطن کی بقا کی جنگ لڑنا غلطی ہے۔ ہمارے فوجی شمال مغربی سرحدوں پر جو جنگ لڑ رہے ہیں اور جانوں کی قربانیاں دے رہے ہیں کیا یہ بھی غلطی ہے؟

تجزیہ نگار شیخ افتخار عادل ''عبدالقادر ملا'' شہید کی موت پر یوں رقمطراز ہیں: ''جماعت اسلامی کے بزرگ رہنماؤں کو بھارتی اشارے پر اسلام اور پاکستان سے محبت کی سزا دی جا رہی ہے۔ بنگلہ دیشی عوام حسینہ واجد حکومت کی اسلام اور پاکستان دشمن پالیسیوں کے خلاف سراپا

احتجاج ہیں۔عبدالقادر کا قصور کیا تھا، پاکستان سے محبت، وہ پاکستان کی تقسیم کا مخالف تھا۔اس محبّ وطن پاکستانی کا خیال تھا کہ بھارت سے ساز باز کر کے پاکستان کو توڑنے کی سازش کرنے والے شیخ مجیب الرحمٰن کی اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔اس باہمت نوجوان نے پاکستان، نظریہ پاکستان اور اسلام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔افسوسناک امر یہ ہے کہ پاکستان سے محبت کی خاطر اپنی جان قربان کرنے والا 65 سالہ بوڑھا شخص آج پاکستانیوں کی نظر میں اجنبی ہے، خود پاکستانی میڈیا اسے جنگی جرائم کا مرتکب سمجھ رہا ہے۔وہ شخص جو دین و وطن کی خاطر پھانسی کے پھندے پر جھول گیا اسے مجرم قرار دیا جا رہا ہے۔''

پچھلے سال اسلام آباد میں دفاعِ پاکستان کونسل کا لاکھوں کا جلسہ ہوا جس سے خطاب کی دعوت مجھے بھی دی گئی۔اپنے خطاب میں دوسری باتوں کے علاوہ میں نے جلسے میں شامل متعدد جماعتوں کے شرکاء کو آگاہ کیا کہ ''دیکھئے آج ہمارے مشرقی پاکستان میں ان لوگوں کا ٹرائل ہو رہا ہے اور موت کی سزائیں سنائی جا رہی ہیں جنہوں نے ہمارے شانہ بشانہ پاکستان کی بقا کی جنگ لڑی تھی۔سزا پر عمل درآمد اگلے سال 16 دسمبر کے وقت ہوگا تاکہ وہاں کی حکومت اپنے لوگوں کو آزادی کا تحفہ دے سکے۔آپ کی تگ و دو بھی اگر جلسے جلوسوں اور احتجاج تک محدود رہی تو وہ دن دور نہیں جب یہاں بھی وطن کی خاطر قربانیاں دینے والوں کو خدانخواستہ ایسے ہی انجام کا سامنا ہو۔''

فرقہ واریّت

اقامت وغلبۂ دین کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ

محمد نذیر یاسین لاھور

انسان کا مقصدِ تخلیق: بندگیٔ رب تعالیٰ

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم (سورۃ الذاریات آیت نمبر 56) میں انسان کی تخلیق کا مقصد اپنی بندگی قرار دیا ہے اور اسی بندگی کی جانچ و پرکھ کے لئے اُسے حیات دنیوی عطا کی ہے پھر اسی امتحانِ زندگی کی جزا و سزا کے لیے دوسرے مرحلہ کے طور پر ممات کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O (الملك 2)

''(وہی ہے اللہ) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے اور وہ بہت زبردست اور معاف فرمانے والا (بھی) ہے۔''

اپنی اسی بندگی کے طریقہ سے آگاہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے سلسلۂ وحی کا اجراء بھی فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام کو زمین پر بھیجتے وقت درج ذیل نصیحت کی:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ 28)

''پس جب میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت نامہ آئے تو جو کوئی اس کی پیروی کرے گا اُسے (دنیا و آخرت کا) کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی غم۔''

اسی سلسلۂ وحی کی تکمیل کے لئے انسانوں میں سے ہی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے۔ یہ انبیاء و رُسل اللہ کی طرف سے بذریعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنے والی تعلیمات و احکامات کو نہ صرف لوگوں تک پہنچاتے رہے بلکہ سب سے پہلے خود ان پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے عملی نمونہ بھی بنتے رہے۔

☆ صرف بندگی نہیں بلکہ خالص و کامل بندگی

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا بنیادی مرکز و محور لوگوں کو ان کے رب کی بندگی کی طرف بلانا ہی تھا، ایک ایسی بندگی جس میں کسی بھی قسم کی کوئی ملاوٹ نہ ہو جیسا کہ فرمایا گیا:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینة 5)

''اور لوگوں کو کچھ حکم نہ دیا گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں اُسی کے لئے اپنی دین کو خالص کرتے ہوئے اور یکسوئی اختیار کرتے ہوئے اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی ہے بالکل سیدھا دین''۔

خلوص اور یکسوئی پر مبنی یہ بندگی فرد کی نجی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرے اور ریاست کی سطح پر بھی مطلوب ہے اور بندگی کے ان تمام تقاضوں کو پورا کر کے ہی کوئی فرد یا معاشرہ رضائے الٰہی کے حصول اور اپنے منصب خلافت کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ مزید برآں دین اللہ کی دائمی حفاظت، اسے باقی نوع انسانی تک کما حقہ پہنچانے کے فریضہ کی ادائیگی، انسانی معاشروں کی بقا اور انہیں پر امن و فلاحی بنانے کے لئے بھی دین اللہ کی تعلیمات پر مکمل عمل درآمد لازم و ناگزیر ہے۔

☆ جزوی بندگی کی کوشش: فرقہ واریت کا نقطۂ آغاز

جب کوئی فرد یا معاشرہ اپنے پروردگار کی کامل کی بجائے جزوی بندگی اختیار کرنے

کی کوشش کرتا ہے تو معاشرتی بگاڑ کے ساتھ ساتھ دین میں بھی بگاڑ و فساد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ انسان جبلی و نفسیاتی طور پر سہل پسند واقع ہوا ہے لہٰذا وہ دین اللہ کے کچھ حصے پر چلنے کے لیے تو بآسانی آمادہ ہو جاتا ہے مگر پورے دین کو اختیار کرنا اُسے بہت کٹھن محسوس ہوتا ہے۔ شیطان اُس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اُسے ورغلاتا ہے کہ اگر فلاں نیک کام مسلسل کرتے رہو گے تو تمہاری نجات ہو ہی جائے گی۔ اپنے ازلی و ابدی دشمن کے بہکاوے میں آ کر سہولت و شارٹ کٹ کا متلاشی' انسان' دین اللہ کے کسی ایک حصے و گوشے پر ہی قناعت کر بیٹھتا ہے اور اپنی تمام توجہات و توانائیاں اسی پر صرف کرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین اللہ کے باقی حصے و گوشے نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ وہ دین کے ان گوشوں کو اپنے لئے غیر ضروری یا پھر اضافی نیکی کے کچھ ایسے کام سمجھنے لگ جاتا ہے جن پر عمل کرنے سے محض درجات کا فرق ہی پڑے گا اور گناہ تو بالکل بھی لازم نہیں آئے گا۔ دین اللہ کے باقی گوشوں کو پس پشت ڈال کر ایسا انسان فسق و فجور کی ایک ایسی اندھی کھائی میں گر چکا ہوتا ہے جہاں سے نکلنا سوائے توبہ کے ممکن نہیں ہو سکتا مگر وہ ساری زندگی شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے اس طرزِ عمل پر ہی جازم رہتا ہے۔

یہی رویہ و طرزِ عمل جب کوئی ایک گروہ یا جماعت اختیار کر لیتی ہے تو فرقہ پرستی جنم لینے لگتی ہے۔ کسی ایک یا چند مخصوص نیکیوں پر تکیہ کرتے ہوئے جب کوئی گروہ انہیں غیر معمولی اہمیت دینا شروع کر دیتا ہے تو ایک دوسرا گروہ جس کے نزدیک کسی اور نیکی کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے' پہلے گروہ پر تنقید کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ تنقید مثبت و تعمیری ہو' اس میں شائستگی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہو اور فریق مخالف بھی اس تنقید کا برا ماننے کی بجائے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح پر آمادہ ہو جائے تو کوئی بڑا تنازعہ جنم لینے کی بجائے، معاملہ بآسانی رفع دفع ہو سکتا ہے۔ مگر وائے افسوس بالعموم ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اکثر و بیشتر ناقدین مثبت و تعمیری تنقید کی بجائے منفی انداز اختیار کرتے ہیں حتیٰ کہ تمسخر و استہزاء پر بھی اُتر آتے ہیں۔ اُن کا انداز تنقید خود ثابت کر رہا ہوتا ہے کہ وہ فریق مخالف کی اصلاح نہیں بلکہ شکست کے متمنی ہیں۔ ہمارا عام تجربہ یہی ہے کوئی بھی شخص آسانی سے ہار ماننے پر تیار نہیں ہوا کرتا کیونکہ اس کے نتیجہ میں اس کی

عزت نفس مجروح ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اور عزت نفس ایک ایسی چیز ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے اگرچہ اس کا معیار و پیمانہ ہر انسان کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔

چونکہ عزت نفس اور تکبر کی سرحدیں آپس میں ملی ہوئی ہیں لہٰذا جس شخص کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہو اگر اس کے اندر تکبر کا شائبہ بھی موجود ہو تو اس کا تکبر کی سرحد میں داخلہ یقینی ہو جاتا ہے اور اگر ناقد کا انداز بھی متکبرانہ ہو تو پھر معاملہ دوطرفہ ہی نہیں بلکہ دوآتشہ بھی ہو جاتا ہے۔ چونکہ اپنی غلطیوں یا کوتاہیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے ہر کوئی خود کو صراط مستقیم پر قرار دے کر دوسروں کو گمراہ ثابت کرنے پر جُت جاتا ہے لہٰذا باہمی اختلافات کم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اب ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ہی تمام توانائیاں وصلاحیتیں خرچ ہونے لگتی ہیں الہامی تعلیمات کی نہ صرف نت نئی توجیحات کی جانے لگتی ہیں بلکہ خود کو دوسروں سے افضل ظاہر کرنے اور اپنی امتیازی شان کے اظہار کے لئے نت نئی بدعات ورسومات بھی ایجاد کر لی جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں دین اللہ کا حلیہ ہی بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ مزید برآں نوافل ومستحبات کو فرائض و واجبات پر ترجیح دی جانے لگتی ہے اور اس طرح دین اللہ کی حقیقی غرض وغایت ہی لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دی جاتی ہے۔ دین اللہ کے حقیقی تصورات مسخ ہونے کے نتیجہ میں ایک نیا مسخ شدہ دین جنم لے لیتا ہے اور اسی نام نہاد دین کی خدمت کو ہی دین اللہ کی حقیقی خدمت سمجھ کر اس کی خاطر خود کو وقف کر لیا جاتا ہے۔ اس فرقہ واریت کا سبب قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر (مثلاً سورہ آل عمران آیت 19) بَغۡيَۢا بَيۡنَهُمۡ کے جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے؛ لوگوں کی باہم ضد بازی اور ان کا باہمی حسد وبغض، اس باہمی ضد بازی کے نتیجہ میں سرانجام دیے جانے والے تمام امور کا اصل مقصد؛ دوسرے کو نیچا دکھانا، اپنی ناک اونچی رکھنا اور اپنے معتقدین کے حلقے کو محفوظ ومضبوط بنانا ہوا کرتا ہے۔

اہل علم وعمل کے نزدیک 3 چیزیں؛ تکبر، حسد اور طمع، انسان کو تباہ کرڈالتی ہیں اور فرقہ واریت کے پیچھے اکثر وبیشتر انہی 3 چیزوں کی جلوہ فرمائی کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔

بدعت کا آغاز اور دین اللہ کی ٹکڑوں میں تقسیم

یقیناً بالکل سچ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی قوم نئی بات یعنی بدعت (عبادت و

حصول ثواب کا کوئی نیا طریقہ) ایجاد کرتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔
(مشکوٰۃ حدیث نمبر 177 کتاب الایمان، فصل 3 (راوی حضرت غزیفہ بن حارث رضی اللہ عنہ))

دین میں ایک نئی بات نکالنے پر ایک سنت اٹھا لئے جانے کی ایک معقول وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کامل کو نظر انداز کرتے ہوئے حصول اجر وثواب کا کوئی نیا طریقہ اختیار کر رہے ہوتے ہیں تو وہ اُسی معاملہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ثابتہ کو پس پشت ڈالنے کے مرتکب بھی ہو رہے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہماری صلاحیتوں واوقات کار کے لحاظ سے ہمیں مکمل دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اسوہ عطا کیا گیا ہے لہٰذا جب بھی ہم، اس میں سے کوئی چیز کم یا زیادہ یا آگے پیچھے کریں گے تو اس سے دین میں فساد، راہ راست سے بُعد اور آپس میں تفرقے کا پیدا ہونا یقینی امر ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی تمام امتیں بھی بالکل اسی طرح فرقوں میں تقسیم ہوکر راہ راست سے ہٹ گئی تھیں۔ انہوں نے بھی پورے دین پر عمل کرنے کی بجائے اسے مختلف خانوں میں تقسیم کرتے ہوئے آپس میں بانٹ لیا تھا۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ
(المومنون 53)

''پس انہوں (یعنی اہل کتاب) نے اپنے امر (یعنی دین) کو باہم ٹکڑوں میں بانٹ لیا ہر گروہ اُسی (ٹکڑے) پر شاداں ہے جو اُس کے پاس موجود ہے۔''

اس قرآنی حقیقت کے تناظر میں اُمت مسلمہ کی موجودہ کیفیت کا سرسری جائزہ لینے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ کس طرح آج ہم مسلمانوں نے بھی بے شمار فرقوں میں منقسم ہوکر دین اللہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ آج ہم میں سے ہر ایک گروہ خود کو ہی راہ راست پر اور دوسروں کو گمراہ سمجھتا ہے۔ مزید برآں ان میں سے ہر گروہ خود کو نہ صرف دین اللہ کے کسی خاص گوشے کا ٹھیکیدار واجارہ دار سمجھتا ہے بلکہ دوسروں کے متعلق یہ بدگمانی بھی رکھتا ہے کہ وہ اسے فراموش ونظر انداز کر چکے ہیں۔ کسی کے پاس شریعت کا ٹکڑا ہے تو کسی کے پاس طریقت کا کوئی حُب اہل بیت رضی اللہ عنہم کا اجارے دار ہے تو کوئی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھیکیدار، کوئی صرف اپنی ہی توحید کو کامل

سمجھتا ہے تو کوئی اپنی تبلیغ کو، کوئی صرف اپنے ہی جہاد کو درست قرار دیتا ہے تو کوئی اپنی سیاست کو۔ الغرض ہر گروہ کسی ایک دینی معاملے یا ضرورت کو ہی اصل دین سمجھ کر، اسی کی خاطر اپنے آپ کو کھپائے چلے جا رہا ہے جبکہ دین کے باقی گوشوں کو نظر انداز کئے جا رہا ہے یا پھر ان کے متعلق تساہل و مصلحت کا شکار ہو چکا ہے۔

اسلام کی جزوی اطاعت: شیطان کے نقوش قدم کی پیروی

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ، اہل ایمان سے کامل بندگی اور پورے دین پر عمل کا تقاضا ان الفاظ میں کرتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (البقرۃ 208)

''اے اہل ایمان دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش قدم کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پورے دین پر عمل کی بجائے، اس کے کسی مخصوص جزو کو اپنا لینا یا کسی اہم جزو ترک کر دینا، درحقیقت ابلیس لعین کی پیروی کے مترادف ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ازلی و ابدی دشمن شیطان ہر وقت دو اہم امور سرانجام دینے میں مصروف کار رہتا ہے: اول انسان کو کسی نہ کسی طرح صراط مستقیم سے ہٹانا اور دوم لوگوں کے مابین تفرقہ ڈالنا۔ پس جب کوئی فرد یا گروہ پورے دین پر عمل کی بجائے اسکی جزوی اطاعت کو کافی و شافی سمجھنے لگتی ہے، وہ اُس وقت درحقیقت شیطان کے جال میں پھنس کر اُس کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہو چکی ہوتی ہے اور اسی طرح جب کوئی فرد یا جماعت باہمی اختلافات کو ہوا دے کر دوسروں کے خلاف منافرت پھیلا رہی ہوتی ہے تو اُس وقت بھی وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر شیطان کے مذموم مقاصد پورے کرنے کا ہی باعث بن رہی ہوتی ہے۔

اقامت دین کا حکم اور تفرقہ بازی کی ممانعت

قرآن حکیم میں جب ہمیں دین اللہ کو قائم رکھنے (اقامت دین) کا حکم دیا گیا تو ساتھ

ہی اس فریضے کی ادائیگی میں پیش آنے والی سب سے بڑی رکاوٹ، فرقہ واریت سے باز رہنے کا بھی کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ 13)

''اُس (اللہ) نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی اُس نے وصیت کی تھی نوح علیہ السلام کو اور جس کی ہم نے وحی کی ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اور جس کی وصیت کی تھی اُس نے ابراہیم علیہ السلام کو اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو (اور وہ وصیت یہ تھی) کہ دین کو قائم رکھو اور اسے ٹکڑوں میں تقسیم مت کرو، شرک کرنے والوں پر یہ بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے (دین کی خدمت کے لئے) منتخب کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف ہدایت (اُسی کو) دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

درج بالا آیہ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پورے دین پر عمل اور فرقہ واریت سے پرہیز، ایک ایسی مبارک و قابل تحسین روش ہے جو شرک کرنے والوں کے لئے بہت بھاری ہوتی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ پورے دین پر عمل کا ترک کر دینا اور فرقہ وارانہ رجحانات کا فروغ ہی شرک اور بدعت وغیرہ قبیح حرکات کو جنم دینے کا باعث بنتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

توحید اور شرک محض دو متضاد عقائد کے نام ہی نہیں ہیں بلکہ یہ دو متضاد نظام ہائے زندگی کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک کرنا، شرک کہلاتا ہے، اُسی طرح احکام الٰہی میں کسی دیگر ہستی یا جذبے کو شریک کار سمجھنا یا عملاً شریک کر لینا بھی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہی ہے۔

توحید خالص پورے نظام زندگی کو احکام الٰہی کے مطابق ڈھالنے کا تقاضا کرتی ہے تو نظام شرک میں اللہ کے علاوہ دیگر ہستیوں و جذبوں کو بھی کلی یا جزوی طور پر قابل اتباع سمجھ کر اُن کی

پیروی کی جاتی ہے۔اس طرح بعض معاملات میں تو احکامِ الٰہی کی اطاعت اختیار کر لی جاتی ہے جبکہ باقی معاملات میں احکام الٰہی کو پس پشت ڈال کر کچھ مخصوص شخصیات مصلحتوں یا خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے انہیں اپنا مقصود و معبود بنالیا جاتا ہے۔کتاب اللہ کے کچھ احکامات ماننے اور کچھ نہ ماننے کا یہ دوغلا و منافقانہ رویہ اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ کو بھڑکانے کا باعث بنتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اظہار اس طرح سے کیا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ85)

''کیا تم کتاب اللہ کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ تو کیا جزا ہوسکتی ہے اُس شخص کی جو تم میں سے ایسا کرے سوائے اس کے کہ اُسے دنیا کی زندگی میں رسوا کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے اور اللہ اُن کرتوتوں سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو''۔

درج بالا الفاظ اگرچہ یہودیوں کے متعلق فرمائے گئے ہیں تاہم بالواسطہ طور پر ہم مسلمان ہی ان کے مخاطب ہیں کہ قرآن حکیم بنیادی طور پر ہماری ہی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے آج مسلمان بھی پوری دنیا میں اسی لئے ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں کہ انہوں نے کچھ احکام شریعت کو تو اختیار کر رکھا ہے جبکہ بہت سے احکام شریعت کو اپنی مصلحتوں یا خواہشات کی بناء پر نظرانداز کیا ہوا ہے۔ایسا رویہ اختیار کرنے والوں کو آخرت میں ملنے والی سزا بھی شدید ترین نوعیت کی ہوگی جو صرف منافقین کے لئے ہی مخصوص کی گئی ہے۔

فرقہ واریت کا حل پورے دین پر عمل اور اقامت وغلبۂ دین کی جدوجہد

پس اگر ہم دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پورے دین پر چلنا ہوگا اور جب ہم پورے دین پر عمل کرنا شروع کریں گے تو ہماری وُسعت نظر میں یقینی طور پر اضافہ ہوگا۔وسعت نظر میں یہ اضافہ ہمارے دلوں میں فراخی پیدا کرے گا جس کی بناء پر ہمارے باہمی اختلافات و تضادات اگر ختم نہیں تو کم ضرور ہو جائیں گے جس کا نتیجہ ہمارے اتحاد و اتفاق کی

صورت میں برآمد ہوگا۔ جب ہم متحد ہو جائیں گے تو نہ صرف اپنے معاشرے میں دین اللہ کو نافذ کرسکیں گے بلکہ اسے عالمی سطح پر غالب کرنے کی پوزیشن میں بھی آ جائیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ دین اللہ کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے ہی نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف9)

''یہ (کافر) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا ڈالیں اور اللہ تو اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار محسوس ہو۔ وہی ہے (اللہ زبردست حکمت وقوت والا) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو کامل ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار محسوس ہو۔''

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ کی طرف سے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کیا گیا دین پوری دنیا پر خود بخود ہی غالب ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہوسکتا تو آپ ﷺ طائف اور اُحد کے میدان میں اس دین کی خاطر اپنا مبارک لہو بہاتے اور نہ ہی اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حتیٰ کہ رحمت للعالمین ہونے کے ناطے کسی کافر کا خون بہانا بھی پسند فرماتے۔ اگر آپ ﷺ نے دین اللہ کی خاطر یہ سب کچھ کیا تھا تو ہم اُن کے اُمتی ہونے اور روز قیامت آپ ﷺ کی شفاعت کے طلب گار و متمنی ہونے کے ناطے اس دین کے لئے کیا قربانیاں دے رہے ہیں؟

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمارے بہت سے علمائے کرام' حقیر مفادات و مصلحتوں کی خاطر دین کی حقیقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں یا پھر ان میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔ حصولِ شہرت یا پیٹ کی خاطر وہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی اُمت میں تفرقہ ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ اپنے خود ساختہ وفرقہ پرستانہ شعائر و رسومات کی اشاعت کو نہ صرف عین کارِ ثواب بلکہ اپنے لئے سعادتِ عظمیٰ بھی گردانتے ہیں۔ ہمارے مذہبی سیاسی رہنما

نفاذِ اسلام ونفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے قیام کے نعرے تو خوب لگاتے ہیں مگر اپنے مسلکی خول سے باہر نکل کر اُمت کے وسیع تر تصور کو عملی طور پر اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ہاں البتہ ایسے علمائے کرام، اپنے مسلکی اثر و رسوخ کو اُن سیکولر جماعتوں کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے لئے ضرور استعمال کرتے ہیں جو پاکستان میں دین اللہ کے نافذ نہ ہوسکنے کی سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں سبھی جانتے ہیں کہ ہمارے یہی دین بیزار حکمران طبقات، فرقہ وارانہ اختلافات کو ملک میں اسلام نافذ نہ ہوسکنے کی بنیادی وجہ قرار دے کر نفاذ اسلام سے راہِ فرار اختیار کرتے رہتے ہیں مگر اس کے باوجود ہماری دینی قوتیں آپس میں اتحاد و اتفاق کا کامل مظاہرہ کرنے کی بجائے انہی سیکولر قوتوں کے جال میں بار بار پھنستی رہتی ہیں۔

ہمیں خوب جان لینا چاہئے کہ بحیثیت اُمت ہمارے اُوپر عائد ہونے والا فریضہ اقامت دین اور نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت (اظہار علی کل دین) تبھی پورا ہوسکے گا جب آپ ﷺ کی اُمت متحد ہو کر اور اپنے فروعی اختلافات کو پس پشت ڈال کر آپ ﷺ کے دین کے قیام و غلبے کے لیے یکسوئی کے ساتھ جدوجہد کرے گی۔

اتحادِ اُمت: وقت کی اہم ترین ضرورت

فی زمانہ، دین اللہ کی اس سے بہتر خدمت کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو کم سے کم تر کیا جائے اور دین محمد ﷺ کی اس سے بڑی بدخواہی کوئی اور نہیں ہوسکتی کہ فرقہ واریت کو فروغ دے کر اُمت مسلمہ کو مزید کمزور و ناتواں بنا دیا جائے۔ ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے اصول (جسے استعمال کرتے ہوئے استعماری قوتیں مسلمانوں پر حکومت کر رہی ہیں) کی اصلیت، اب ہمارے اوپر پوری طرح واضح ہو جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں سورۂ آل عمران کی آیات 102-103 ہمیں غور و فکر کا کافی سامان فراہم کرتی ہیں:

> ''اے ایمان والو! اللہ کا تقوی اختیار کرو جیسا کہ اُس کے تقوی کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آنے پائے مگر صرف حالت فرماں برداری میں، اور اللہ کی رسی کو باہم مل کر مضبوطی سے تھام لو، تفرقے میں مت پڑو اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی، پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن

گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے تو اُس نے تمہیں اس سے بچا لیا' اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔''

ان آیات میں جہاں ایک طرف اُمت کو اتحاد و اتفاق کا پیغام دیا گیا ہے اور اس کے لئے تقوی اور فرماں برداری کی اہمیت واضح کی گئی ہے' وہیں ساتھ ہی اس اتحاد و اتفاق کے حصول کا بنیادی ذریعہ اعتصام باللہ (جس کا مطلب اکثر مفسرین کے نزدیک، اعتصام بالقرآن ہے) کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

تقوی اور فرماں برداری کا مطلب پورے دین پر عمل ہی ہے جو قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامنے اور ہر معاملے میں اسے اپنا ہادی و رہنما بنانے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ ابتر ہوتے ہوئے حالات میں دینی قوتوں کے اتحاد کی ضرورت جتنی آج ہے' اتنی شاید ماضی میں کبھی بھی نہیں رہی۔ آج ہمارے ملک میں فرقہ واریت کا بڑھتا ہوا عفریت اور تکفیری سوچ' ہمیں مسلسل تباہی کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔ یقیناً اس میں غیروں کی سازشوں کا بھی عمل دخل ہے مگر استعمال تو ہمارے اپنے ہی لوگ ہو رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے ملک کو امریکی غلامی میں نہ دے دیا ہوتا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق اسے ایک اسلامی فلاحی ریاست بنایا ہوتا تو آج صورتحال ایسی نہ ہوتی۔

فی الوقت موجودہ گھمبیر صورتحال کا فوری تقاضا ہے کہ ہماری دینی قوتیں باہم متحد ہو کر ملک کو اس غیر معمولی بحرانی کیفیت سے نکالیں ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے شیطانی و استعماری اصول کا توڑ کرتے ہوئے ''نیک بنو اور ایک بنو'' کے سنہری اصول کو فروغ دیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں ملک کو امریکی غلامی سے نجات اور نفاذ اسلام کی خاطر کھپا ڈالیں۔

پاکستان کی سطح پر دینی قوتوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے کافی کوششیں ہوتی رہی ہیں تاہم بعض نادیدہ ابلیسی قوتیں کچھ ہی عرصہ بعد اس تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی رہی ہیں۔

یہ ایک خوش آئند امر ہے کہ پچھلے کچھ عرصہ سے مروّجہ سیاست سے بالاتر ہو کر ہماری بیشتر دینی جماعتیں تین مختلف پلیٹ فارموں پر اکٹھی دکھائی دے رہی ہیں۔ اس حوالے سے محترم مختار حسین فاروقی صاحب نے حکمت بالغہ ماہِ دسمبر 2012ء کے حرفِ آرزو میں اپنے جن

خیالات وآرزوؤں کا اظہار کیا تھا، وہ بجا طور پر لائق تحسین تھے۔اُن کی یہ تجویز قابل غور وفکر تھی کہ ملّی مجلس شرعی، ملّی یکجہتی کونسل اور دفاع پاکستان کونسل آپس میں تقریباً ملتے جلتے ناموں سے قائم ہونے والے ان تینوں الگ الگ پلیٹ فارموں کو''شرعی یکجہتی کونسل'' کے نام سے ایک ہی متحدہ پلیٹ فارم پر آجانا چاہئے۔اگر ایسا ہوجاتا ہے تو یقیناً اس متحدہ پلیٹ فارم سے بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ اور پاکستان میں دین اللہ کی اقامت کے لیے ایک مشترکہ لائحۂ عمل و جدوجہد کی طرف مثبت پیش رفت کی قوی اُمید کی جاسکتی ہے۔اللہ تعالی ہمارے اکابرین کواس کی توفیق اورہمیں اُن کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات

(ماخوذ از ''سب سے سچی کہانی'' مؤلف: ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر)

اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ وسلم

571ء تا 632ء

واقعہ	سن ہجری	سن عیسوی
☆ ولادت رحمت دو جہاں ﷺ	عام الفیل 9 ربیع اول	22/20 اپریل 571ء
☆ واقعہ شق صدر	ولادت کے تیسرے سال	574ء
☆ والدہ کی وفات	عمر مبارک کے چھٹے سال	577ء، 576ء
☆ دادا کی وفات	عمر مبارک کے آٹھویں سال	579ء، 578ء
☆ شام کا پہلا سفر	عمر مبارک کے بارھویں سال	583ء
☆ جنگ فجار	عمر مبارک کے پندرھویں سال	584ء
☆ حلف الفضول	عمر مبارک کے بیسویں سال	589ء
☆ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	عمر مبارک کے پچیسویں سال	595ء
☆ حجر اسود کے تنازعے کا فیصلہ	عمر مبارک کے پینتیسویں سال	605ء
☆ بعثت	21 رمضان المبارک، یکم نبوی	12 فروری 610ء
☆ علانیہ تبلیغ کا آغاز	4 نبوی	613ء
☆ دارارقم کی ابتدا	5 نبوی	614ء

☆ ہجرتِ حبشہ	رجب 5 نبوی	615ء
☆ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام	6 نبوی	616ء
☆ شعب ابی طالب میں آمد	محرم 7 نبوی	617ء
☆ شعب ابی طالب سے خروج	محرم 10 نبوی	اکتوبر 619ء
☆ وفات ابو طالب	رجب 10 نبوی	مارچ 619ء
☆ وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	رمضان 10 نبوی	مئی 619ء
☆ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال 10 نبوی	مئی 619ء
☆ طائف روانگی	شوال 10 نبوی	مئی/جون 619ء
☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	شوال 11 نبوی	جون 620ء
☆ پہلی بیعت عقبہ	ذوالحجہ 12 نبوی	جولائی 621ء
☆ دوسری بیعت عقبہ	ذوالحجہ 13 نبوی	جون 622ء
☆ دارلندوہ میں قریش کا اجتماع	26 صفر 14 نبوی	12 ستمبر 622ء
☆ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	27 صفر 14 نبوی	13 ستمبر 622ء
☆ غار ثور سے روانگی	یکم ربیع الاوّل یکم ہجری	16 ستمبر 622ء
☆ قباء میں تشریف آوری	8 ربیع الاوّل یکم ہجری	23 ستمبر 622ء
☆ مدینے میں داخلہ	12 ربیع الاوّل، یکم ہجری	27 ستمبر 622ء
☆ مسجد نبوی کی تعمیر کی ابتدا	19 ربیع الاوّل، یکم ہجری	12 اکتوبر 622ء
☆ مسلمانوں میں بھائی چارگی	یکم ہجری	622ء
☆ فرضیت جہاد	12 صفر 2 ہجری	16 اگست 623ء
☆ غزوۂ ودّان (ابواء)	صفر 2 ہجری	اگست 623ء
☆ غزوۂ بواط	ربیع الاوّل 2 ہجری	ستمبر 623ء
☆ غزوۂ سفوان	ربیع الاول 2 ہجری	ستمبر 623ء
☆ غزوۂ ذی العُشَیرہ	جمادی الاولیٰ/جمادی الاخریٰ 2 ہجری	نومبر، دسمبر 623ء

☆ سریۂ نخلہ	رجب 2 ہجری	جنوری 624ء
☆ تحویل قبلہ	17 شعبان 2 ہجری	13 فروری 624ء
☆ غزوۂ بدر	17 رمضان 2 ہجری	13 مارچ 624ء
☆ فرضیت روزہ، زکوٰۃ اور فطرانہ	2 ہجری	624ء
☆ غزوۂ بنی سلیم	شوال 2 ہجری	اپریل 624ء
☆ بنوقینقاع کی جلاوطنی	یکم ذوالقعدہ، 2 ہجری	25 اپریل 624ء
☆ غزوۂ سویق	ذوالحجہ 2 ہجری	مئی 624ء
☆ غزوۂ ذی امر	محرم 3 ہجری	جون 624ء
☆ سریۂ زید بن حارثہ	جمادی الاخریٰ 3 ہجری	نومبر 624ء
☆ کعب بن اشرف کا قتل	14 ربیع الاوّل 3 ہجری	5 ستمبر 624ء
☆ غزوۂ احد	7 شوال 3 ہجری	24 مارچ 625ء
☆ غزوۂ حمراء الاسد	8 شوال 3 ہجری	25 مارچ 625ء
☆ سانحہ رجیع و بئر معونہ	صفر 4 ہجری	جولائی 625ء
☆ غزوۂ بنی نضیر	ربیع الاوّل 4 ہجری	اگست 625ء
☆ غزوۂ نجد	جمادی الاخریٰ 4 ہجری	اکتوبر 625ء
☆ غزوۂ بدر دوم	ذوالقعدہ 4 ہجری	اپریل 626ء
☆ غزوۂ ذومۃ الجندل	25 ربیع الاوّل 5 ہجری	24 اگست 626ء
☆ غزوۂ احزاب	شوال 5 ہجری	فروری/مارچ 627ء
☆ غزوۂ بنی المصطلق (واقعۂ افک)	شعبان 5 ہجری	دسمبر/جنوری 626ء، 627ء
☆ غزوۂ بنوقریظہ	ذوالقعدہ 5 ہجری	مارچ/اپریل 627ء
☆ سریۂ محمد بن مسلمہ	10 محرم 6 ہجری	یکم جون 627ء
☆ غزوۂ بنی لحیان	ربیع الاوّل 6 ہجری	اگست 627ء
☆ صلح حدیبیہ	ذوالقعدہ 6 ہجری	مارچ 628ء

☆ بادشاہوں کے نام خطوط	6ہجری	628ء
☆ غزوۂ ذی قرد	شعبان6ہجری	دسمبر627ء
☆ غزوۂ خیبر	محرم7ہجری	مئی628ء
☆ غزوۂ ذات الرقاع	ربیع الاوّل7ہجری	جولائی628ء
☆ عمرۂ قضاء	ذوالقعدہ7ہجری	مارچ629ء
☆ معرکۂ موتہ	جمادی الاولیٰ8ہجری	ستمبر629ء
☆ سریہ ذات السلاسل	جمادی الاخریٰ8ہجری	اکتوبر629ء
☆ فتح مکہ مکرمہ	20رمضان8ہجری	12جنوری630ء
☆ غزوۂ حنین	11شوال8ہجری	یکم فروری630ء
☆ غزوۂ طائف	شوال8ہجری	فروری630ء
☆ غزوۂ تبوک	رجب9ہجری	اکتوبر631ء
☆ سن وفود	9ہجری	630ء، 631ء
☆ حجۃ الوداع	ذوالحجہ 10ہجری	مارچ632ء
☆ جیش اسامہ کی تیاری	صفر11ہجری	مئی632ء
☆ وصال	12ربیع الاوّل11ہجری	9جون632ء
☆ تجہیز وتکفین	13ربیع الاوّل11ہجری	11جون632ء
☆ تدفین	14ربیع الاوّل11ہجری	12جون632ء
☆ عمر مبارک	63سال	

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

''شعب ابی طالب میں''

مسٹر کونسٹن ویرژیل
عکس سیرت نمبر (سیارہ ڈائجسٹ)

ورقہ بن نوفل نے پیغمبر اسلام ﷺ سے کہا تھا: ''اے کاش میں اس وقت زندہ ہوں اور تمہاری مدد کرسکوں جب قبیلے والے تمہارے دشمن ہو جائیں اور تمہیں جلاوطنی پر مجبور کر دیں''۔

ورقہ بن نوفل نے یہ بات سن 610ء میں کہی تھی اور اس کی پیش گوئی نے 616ء میں حقیقت کا روپ دھار لیا لیکن اس وقت ورقہ بن نوفل زندہ نہ تھا جو اپنے کہے پر عمل کرسکتا۔

دراصل آج تک ایسے تمام افراد کا انجام، جو انسانیت اور معاشرے کی اصلاح اور فلاح کے لئے کوئی نئی چیز پیش کرتے ہیں یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ یا تو جلاوطن کر دیے جائیں یا گوشۂ زندان میں پڑے رہیں یا قتل کر دیے جائیں یا پھر زندہ آگ میں ڈال دیے جائیں کیونکہ جو شخص اپنے معاشرے کو سدھارنے اور اس میں اصلاحی تبدیلیاں لانے کے لئے کوئی نئی چیز پیش کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سالہ پرانی رسومات پر خط بطلان کھینچ دیتا ہے بلکہ ایسے لوگوں کے منافع اور اجارہ داری کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے جن کی گزراوقات ہی فرسودہ رسومات اور بے ہودہ عقائد پر ہوتی ہے لہٰذا ایسے لوگ اپنی بقا کو خطرے میں محسوس کرتے ہوئے ضد اور مخالفت پر کمر باندھ لیتے ہیں اور جہاں تک بن سکے یہی کوشش کرتے ہیں کہ اصلاحی تبدیلیاں لانے والا شخص پیش رفت حاصل نہ کر سکے۔

جماعت قریش نے بھی جب یہ دیکھا کہ حبشہ کا بادشاہ مکہ سے ہجرت کرنے والے

مسلمانوں کو واپس کرنے پر آمادہ نہیں اور دوسری طرف مکہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کی مقبولیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے تو اُنہوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو شہر بدر کر کے مکہ میں اسلام کی جڑیں ہی اکھاڑ پھینکیں! اسی منصوبے کے تحت اُنہوں نے خانہ کعبہ کی دیوار پر ایک ''صحیفہ'' لٹکا دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ محمد ﷺ اور ان کے ماننے والوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور آج کے بعد ان لوگوں کو مکہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

''صحیفہ'' دراصل ایسی عبارت کا نام ہے جسے ہم اپنی زبان میں ''فرمان'' ''حکم'' یا ''اعلان'' کا نام دیتے ہیں۔ مذکورہ صحیفہ کے ذریعے درج ذیل احکامات جاری کیے گئے تھے۔

1۔ مکہ کے کسی شہری کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی مسلمان (خواہ عورت یا مرد) سے گفتگو کرے۔

2۔ مکہ کے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی مسلمان کے بدن کو چھوئے (یعنی اس سے مصافحہ کرے) اور اگر ایسا کرے تو وہ پلید ہو جائے گا۔

3۔ اہل مکہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مسلمان کو کوئی چیز فروخت کریں یا اس سے کوئی چیز خریدیں۔

4۔ مکہ کے رہنے والے نہ تو مسلمانوں سے لڑکی لیں اور نہ ہی انہیں لڑکی دیں۔

5۔ جو کوئی بھی مسلمان کا مقروض ہے تو وہ اپنا قرض ادا کرنے سے اجتناب کرے۔

6۔ اور یہ احکامات اس وقت تک باقی ہیں کہ جب تک محمد ﷺ اپنے دین سے ''توبہ'' نہ کر لیں یا بنو ہاشم اس کی حمایت سے دستبردار نہ ہو جائیں۔

616ء میں حضرت محمد ﷺ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا گیا لیکن اس موقع پر بھی بنو ہاشم نے حضرت محمد ﷺ کی حمایت ترک نہ کی اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل آئے۔ جبکہ ان میں سے کچھ منجملہ پیغمبر اسلام ﷺ کے چچا مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو طالب کی غیرت اور حمیت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں حالانکہ اُنہوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کے قبیلے کے افراد میں صرف ''ابی لہب'' ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنے قبیلے کا ساتھ نہ دیا جبکہ بقیہ افراد ''عصبیہ'' یعنی قبائلی تعصب اور خاندانی وفاداری کی بنا پر حضرت محمد ﷺ کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل آئے اور

شعب نامی گھاٹی میں جو کہ ابی طالب کی ملکیت تھی، قیام پذیر ہو گئے۔

اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ ''شعب'' کیا ہے تو ہمیں قدرے وضاحت کی ضرورت ہوگی۔

''شعب'' کے لغوی معنی اس شگاف کے ہیں جو کسی پتھر میں ایجاد ہوا ہو، تاہم مجازی طور پر ایسے درے یا گھاٹی کو ''شعب'' کے نام سے پکارا جاتا ہے جو قدرتی طور پر کسی پہاڑ میں ایجاد ہوگئی ہو۔ قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر قبیلہ مکہ کے گردونواح میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں اپنے لئے ایک مخصوص ''شعب'' کا مالک ہوتا تھا۔ جب کوئی اجنبی شخص قریش کے کسی قبیلے سے پناہ مانگتا تو وہ قبیلہ اسے پناہ ضرور دیتا لیکن اس کے ٹھہرنے کا بندوبست اپنی مخصوص شعب یا گھاٹی میں ہی کرتا تھا۔ بادیہ نشین عربوں میں یہ رسم نہیں تھی کہ کسی پناہ گزین شخص کو اپنے قبیلے کا فرد تصور کریں لہٰذا ایک اجنبی کسی طور بھی قبیلے کا عضو نہیں بن سکتا تھا اور اسی بنا پر اسے پناہ دینے والے قبیلے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق نہیں پہنچتا تھا۔

صحرائی طرزِ زندگی کے مطابق ایک قبیلے کے خیمے کچھ اس انداز میں نصب ہوتے تھے کہ اگر کوئی شخص کسی اُونچی جگہ سے قبیلے کے رہائشی علاقے کا مشاہدہ کرتا تو پہلی نظر میں یہ جان لیتا تھا کہ قبیلے کے سربراہ اور اس کے اقربا کے خیمے کون سے ہیں۔ قبیلے کے سربراہ کا خیمہ ہمیشہ درمیان میں ہوتا اور اس کے دائیں بائیں اس کی نرینہ اولاد کے خیمے ہوتے تھے۔ اس کے بعد رئیس قبیلہ کے بھائیوں، لڑکیوں اور دامادوں کے خیمے نصب ہوتے تھے۔ اگر کوئی رشتے کے لحاظ سے قبیلے کے سربراہ سے دور ہوتا تو اس کا خیمہ بھی اسی نسبت سے سربراہ کے خیمے سے دور نصب ہوتا تھا۔

بہرحال شعب ابی طالب ایک ایسی پناہ گاہ تھی جسے اجنبیوں اور درماندہ لوگوں کو پناہ دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا نہ کہ خود ابی طالب وہاں قیام کریں یا ان کے قبیلے کے دوسرے افراد وہاں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ شعب ابی طالب صرف ایک چھوٹی سی پناہ گاہ تھی جہاں اتنے لوگوں کے ٹھہرنے کی گنجائش بھی نہ تھی اور نہ ہی گردونواح میں کوئی اور جگہ دیکھنے کو ملی تھی کہ جہاں سکونت اختیار کی جا سکے بلکہ چاروں طرف ٹیلے ہی ٹیلے تھے یا درے ہی درے۔

کچھ عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں مکہ کے اردگرد پھیلی ہوئی اراضی کا وصف بیان کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مکہ کی سرزمین کی حالت چند سال پہلے تک (یعنی جب تیل کی درآمد

سے، جزیرۃ العرب کی اقتصادی صورتحال میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی) کیا تھی؟ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں مکہ کی اراضی اور اس کے نواح میں پھیلے ہوئے ٹیلوں پر حتیٰ کہ ایک درخت تو کیا سوکھی گھاس بھی دیکھنے کو نہیں ملتی تھی ماسوائے بڑے بڑے پتھروں کے جو دن کے وقت سورج کی تمازت سے یوں دہکتے تھے گویا ساری کائنات ایک بہت بڑے تنور میں بدل گئی۔ اس علاقے میں سال بھر میں ایک پرندہ بھی پر نہیں مارتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پرندے وہاں بسیرا کرتے ہیں جہاں درخت ہوں اور سبزہ پایا جائے۔ حتیٰ کہ اب جبکہ مکہ میں پانی کی فراہمی بہت بہتر ہے اور شہر کے مختلف حصوں میں سرسبز درخت اور چمن زار دیکھنے کو ملتے ہیں تو آج بھی اگر آپ شہر سے کچھ دور نکل جائیں تو آپ کو انہی سنگلاخ چٹانوں اور برہنہ ٹیلوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ حضرت محمد ﷺ اور دوسرے مسلمان جب شعب ابی طالب میں پہنچے تو چونکہ مکہ سے ان کی روانگی انتہائی عجلت میں ہوئی تھی لہٰذا وہ لوگ مناسب مقدار میں اشیائے خوردو نوش اپنے ہمراہ نہ لا سکے اور اگر ایسا کر بھی سکتے تو بھی کھانے پینے کی چیزیں زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔ مزید برآں قریش کے جاری کردہ فرمان میں یہ پابندی بھی عائد تھی کہ کوئی بھی شخص مسلمانوں کو نہ تو کوئی چیز فروخت کرے اور نہ ہی ان سے کوئی چیز خریدے لہٰذا مسلمان اہل مکہ سے اشیائے ضرورت خرید بھی نہیں سکتے تھے۔ دوسری طرف شعب ابی طالب بھی ایسے مقام پر واقع تھی جہاں سے کوئی قافلہ نہیں گزرتا تھا کہ مسلمان اہل کاروان سے کھانے پینے کی چیزیں خرید سکیں۔

مسلمانوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ہمراہ شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک شکنجوں اور بھیانک مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور صرف ایک چیز جو اس بات کا سبب بنی کہ وہ بھوک کی شدت سے ہلاک نہ ہوں یہ تھی کہ سال کے چار مہینوں میں جنہیں ''ماہِ حرام'' کہتے تھے مسلمان شہر میں آتے اور اشیائے خوردونوش فراہم کر سکتے تھے۔ وہ لوگ حتیٰ کہ قربانی کی کھالیں بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تاکہ سال کے دوسرے مہینوں میں جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر اپنا پیٹ بھر سکیں۔

انہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تو ایک

دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا اپنی پھوپھو کے لئے کچھ اشیائے ضرورت لے کر باہر نکلا کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی گھاٹی میں قیام پذیر تھیں۔ قریش کے افراد نے جو اس بات کی نگرانی کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو کسی طور اشیائے خورد ونوش فراہم نہ ہو سکے حضرت خدیجہ کے بھتیجے کو مکہ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُنہوں نے اس کا تعاقب کیا اور پھر سارا سامان ضبط کرنے کے علاوہ اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے چارہ تین دن زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہا۔

کچھ اسلامی تذکرہ نویسوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں ان تین سالوں کی تاریخ کو جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، ناگفتہ رہنے دیا ہے یا کم از کم اس کی تفصیل بیان نہیں کی اور اُنہوں نے اپنے تئیں یہ تصور کیا ہے کہ اگر وہ یہ لکھ دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہمراہیوں نے شعب ابی طالب میں شدید بھوک اور بے چارگی کا سامنا کیا تھا تو شاید یہ بات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہو حالانکہ میرے (کونسٹن ویرژیل کے) خیال میں یہ واقعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو دوبالا اور ان کے کردار کی عظمت کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ ان تین سالوں میں مکہ کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کی کوشش کی تھی اور قریش سے کہا تھا کہ وہ اجازت دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی واپس چلے آئیں لیکن قریش کے بزرگوں نے جواب دیا تھا کہ ''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں تو مکہ واپس آسکتے ہیں اور ہمیں بھی اس سے کوئی سروکار نہیں.....لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تو پھر وہیں پر اپنی موت کا انتظار کریں ہم انہیں مکہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک ''ضعیف العزم'' انسان ہوتے تو وہ ان مصائب سے گھبرا کر اپنے دین سے چشم پوشی کر لیتے یا کم از کم عارضی طور پر دکھاوے کے لئے ہی سہی اپنے دین کی تبلیغ ملتوی کر دیتے تا کہ جب قریش کا غصہ فروکش ہو جاتا اور ان کے غضب کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی تو مناسب موقع ملنے پر اپنے دین کی نئے سرے سے تبلیغ شروع کر دیتے لیکن چونکہ وہ مضبوط ارادے اور آہنی عزم کے مالک تھے اور انہیں پختہ یقین تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں لہٰذا اُنہوں نے اپنے دین کو نہ چھوڑا اور اپنی رسالت کی حتیٰ کہ عارضی یا ظاہری طور پر بھی نفی نہیں کی.....اُنہوں نے ایسا نہ کیا اور عرصہ تین سال تک پہاڑ کے شگاف میں گرسنگی اور تشنگی سے نبھاتے رہے حتیٰ کہ چمڑا اور

کھالیں اُبال اُبال کر گزراوقات کر لی لیکن اپنی رسالت سے انکار نہیں کیا۔شعب ابی طالب میں حضرت محمد ﷺ کا تین سالہ قیام ایک کڑی آزمائش تھی جس میں بحسن وخوبی پورے اُترے اور بھوک ورنج والم ان کے عزم وارادے کو متزلزل نہ کر سکے۔

شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس کوئی ''اثاث بیت''یعنی گھریلو سامان نہیں تھا اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا تھا اور ایک دن وہ پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔کچھ دنوں بعد جب برتن جوڑنے والا وہاں سے گزرا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ٹوٹا ہوا پیالہ اس کے حوالے کیا تا کہ وہ اسے جوڑ لگا دے۔میرے خیال میں شعب ابی طالب میں پیغمبر اسلام ﷺ کا تین سالہ قیام اس بات کا سبب بنا کہ بعد ازاں پیش آنے والے واقعات کے لئے ان کا عزم راسخ ہو جائے اور وہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ یہ جلاوطنی پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے ایک ''مکتب'' کی شکل اختیار کر گئی جہاں اُنہوں نے اپنی قوتِ ارادی کو پختہ کیا اور یہ جان لیا کہ مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات کا کیونکر مقابلہ کیا جائے۔

شعب ابی طالب میں مسلسل رنج اور دائمی بھوک کے علاوہ ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا اور وہ یہ تھا کہ پیغمبر ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عسرت اور تنگ دستی کے باعث بیمار ہو گئیں اور چونکہ علاج معالجہ کے لئے ضروری دوا اور مناسب غذا موجود نہ تھی لہٰذا پیغمبر ﷺ کی زوجہ نے 619 عیسوی میں، جسے مسلمانوں نے ''عام الحزن'' کا نام دیا ہے، اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔جب حضرت خدیجہ نے زندگی کو خیر باد کہا تو ان کی عمر 65 برس تھی اور حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے پچاس سال گزر چکے تھے۔حضرت محمد ﷺ اپنی زوجہ کی وفات پر مسلسل دو دن تک آنسو بہاتے رہے اور اس کے بعد زندگی کے آخری دن تک جب بھی انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آتی تو ان کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی مرد، ایک ایسی عورت کو جو اس سے عمر میں پندرہ سال بڑی ہو، اس قدر چاہے کہ زندگی کی آخری سانس تک اسے فراموش نہ کر سکے! اگرچہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمروں میں واضح اختلاف موجود تھا لیکن ازدواجی زندگی کی ابتداء سے انتہا تک ان دونوں کے مابین کوئی اختلاف پیش نہ آیا اور عرصہ پچیس سال تک حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ ایک سچے محبوب کی طرح ایک دوسرے کا سہارا بنے رہے۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شعب ابی طالب میں زندگی کو الوداع کہا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر مسلمانوں کے پاس ایک کفن بھی نہ تھا لہٰذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ''صوقعہ'' میں لپیٹ کر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

''صوقعہ'' دراصل ایسی لمبی چادر کو کہتے تھے جسے عرب خواتین اپنا سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں اور اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کو ان کی اپنی چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک سچی اور بے لوث مسلمان تھیں اور ایسے وقت میں جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بالکل خالی تھے تو ان کی مالی امداد و اعانت نے اسلام کی ترقی اور پیش روی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام کے ابتدائی دور میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یگانہ غمگسار اور رفیقہ جانثار تھیں جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم بہ قدم ساتھ دیا اور ان ایام میں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پتھروں سے مجروح ہو کر گھر لوٹتے تھے تو یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو ان کے زخموں کو دھوتیں، مداوا کرتیں، ان کے کپڑے تبدیل کرواتیں اور ان کا دکھ بانٹتی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دو دن بعد مسلمانوں کو دوسرا صدمہ پہنچا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ''ابی طالب'' چھیاسی سال کی عمر میں دار فانی کو وداع کر گئے۔ وہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھوک و ناداری اور ضعف و بیماری کے باعث موت کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ واضح رہے کہ حضرت ابو طالب مسلمان نہ ہوئے اور اُنہوں نے آخری دن تک اپنے آباؤ و اجداد کے دین کو چھوڑنے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ جب ابی لہب کو یہ خبر ملی کہ اس کا بھائی قریب المرگ ہے تو وہ شعب ابی طالب پہنچا اور اپنے بھائی کے سرہانے کھڑا ہو کر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا ''اے برادر قسم کھا کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو تسلیم نہیں کیا اور تو اپنے بزرگوں کے دین پر کاربند رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔''

ابی طالب نے نزاع کے عالم میں یہ سوگند کھائی کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو نہیں مانا اور اپنے اجداد کے مسلک پر قائم رہتے ہوئے اس دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ اگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابی طالب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شعب ابی طالب میں نہ جاتے اور وہاں بھوک و پیاس کا رنج اور فقر و تنگ دستی کے صدمے برداشت نہ کرتے تو ممکن تھا کچھ اور دن زندہ رہ سکیں۔

حضرت محمد ﷺ کی راہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایثار اور جانثاری اتنی تعجب آور نہیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ ان کے شوہر بھی تھے اور پیغمبر بھی لیکن اپنے بھتیجے کی راہ میں ابی طالب کی قربانیاں بڑی تعجب آور اور قابل تحسین ہیں کیونکہ اسلام پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے تھے لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے اپنے بھتیجے کی راہ میں جان قربان کر دی تا کہ اپنے ''عصبیہ'' کے فرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

''عصبیہ'' یعنی ''قبائلی تعصب'' بادیہ نشین عربوں میں اتنا قوی تھا کہ حضرت ابوطالب جیسا قبیلے کا سربراہ ایک ایسے شخص کی راہ میں، جس کی نبوت کو وہ مانتا بھی نہ تھا، اپنی آرام دہ اور پر سکون زندگی کو خیر باد کہہ دے اور کہن سالی کے باوجود صرف اس لئے پہاڑ کی گھاٹی میں مقید ہونا گوارا کر لے کہ اس کے خاندان کا کوئی فرد بے پناہ یا بے یار و مددگار نہ رہ جائے۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد قبیلہ بنو ہاشم کے ارکان ناچار ہو گئے کہ اپنے لئے ایک نیا سربراہ انتخاب کریں اور اس زمانے کے دستور کے مطابق حضرت ابوطالب کے بھائی ''ابی لہب'' کو قبیلے کی سرداری سونپ دی گئی اور ''ابی لہب'' وہ شخص تھا جو مکہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا تھا۔

اتفاق سے انہی دنوں اہل مکہ نے یہ دیکھا کہ خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے فرمان کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور صرف یہ عبارت باقی رہ گئی ہے ''ساتھ تیرے نام کے، اے اس گھر کے مالک۔''

''اس گھر'' سے مراد خانہ کعبہ ہے اور گھر کا مالک یعنی وہ اللہ جس کے نام سے قریش اپنے احکامات جاری کرتے تھے۔

''دیمک'' گرم علاقوں منجملہ جزیرۃ العرب میں بکثرت پائی جاتی ہے اور کاغذ و لکڑی کھانے کا اسے بہت شوق ہے۔ اگر کوئی آج بھی مکہ میں کسی کتاب کو ایک جگہ رکھ دے اور اس کی جگہ تبدیل نہ کرے تو جب کچھ عرصہ بعد کتاب کو اُٹھایا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس کی صرف جلد ہی باقی رہ گئی اور دیمک نے کتاب کے سارے صفحات کا صفایا کر دیا ہے۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ دیمک نے حضرت محمد ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے شہر بدر ہونے کے فرمان کو چاٹ لیا ہے اور صرف ''خدا'' نام باقی رہنے دیا ہے تو ان پر انجانا خوف طاری ہو گیا۔ اتفاق سے یہ واقعہ ٹھیک ایسے وقت پیش آیا کہ جب ابی طالب انتقال کر چکے تھے اور

ابی لہب نے بنو ہاشم کی سربراہی کا عہدہ سنبھالا تھا۔

جیسے ہی ابی لہب قبیلے کا سربراہ بنا تو چونکہ وہ بنو ہاشم میں اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکا تھا لہٰذا اس نے احساسِ برتری کے باعث یہ سوچا کہ محمد ﷺ کے بارے میں اپنی رائے میں تجدید نظر کرے تا کہ اپنے قبیلے اور خاندان کے مقابلے میں اپنی ''ذمہ داریوں'' سے عہدہ برآ ہو سکے۔ قریش مکہ بھی مذکورہ فرمان کے دیمک کی طرف سے کھائے جانے اور صرف ''خدا'' کا نام باقی رہ جانے کی بنا پر تشویش اور خوف میں مبتلا تھے لہٰذا جب ''ابی لہب'' نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب سے مکہ واپس آنے کی اجازت دے دی جائے تو اُنہوں نے بلا تاخیر اپنی رضامندی ظاہر کر دی اور یوں مسلمانوں نے تین سال کے بعد اپنے آبائی شہر مکہ میں قدم رکھا۔ واضح رہے کہ اس عرصہ میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اُٹھانا پڑا اور خاص طور پر کاروباری لوگوں کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے لئے، جن کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کی دولت قارون کے برابر ہے، صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔

جب مسلمان شعب ابی طالب سے واپس لوٹے تو لامنقطع بھوک اور پیاس کے باعث بے حد کمزور ہو چکے تھے۔ ان کے چہرے ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے اور ان کے بدن کی کھال سورج کی تمازت سے بری طرح جھلس چکی تھی۔

جب ابی لہب سے یہ پوچھا گیا کہ محمد ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ہونے کے باوجود تو نے مسلمانوں کو شعب سے واپس آنے کی اجازت کیونکر دی تو ابی لہب نے جواب دیا ''میں چونکہ اب بنو ہاشم کا سربراہ ہوں لہٰذا یہ میری ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے قبیلے کی، جس میں محمد (ﷺ) بھی شامل ہے، حمایت کروں لیکن میں اس کے دین کا سخت مخالف ہوں اور میری حمایت صرف اس وقت تک باقی رہے گی کہ جب تک محمد (ﷺ) قبیلے کے قوانین کا احترام کرے اور جب بھی اس نے ایسا نہ کیا تو میں اسے قبیلے سے باہر نکال دوں گا کیونکہ میں ابی طالب نہیں جو اس کی حمایت میں پہاڑ کی گھاٹی کا رُخ اختیار کر لوں۔''

لیکن ابی لہب جو اسلام کی مخالفت سے باز نہیں رہ سکتا تھا ایک ایسے بہانے کی تلاش میں رہنے لگا کہ جس کی بنا پر وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو قبیلہ بدر کر سکے اور جلد ہی اس نے وہ بہانہ ڈھونڈ

نکالا جس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی زندگی میں بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

ہوا یوں کہ ایک دن ابی لہب نے بنو ہاشم کے تمام افراد کو ایک ضیافت میں شرکت کی دعوت دی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابی لہب نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ بنو ہاشم کے تمام افراد کے ساتھ تجھ سے تیرے جد عبدالمطلب کے بارے میں سوال کروں اور پوچھوں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ مشرکین جہنم میں جائیں گے تو تمہارے خیال میں عبدالمطلب جنت میں ہیں یا جہنم میں؟''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی لہب کے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت کی جو آج سورۂ توبہ کی 114 ویں آیت ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ..... الیٰ آخر۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے (یعنی مسلمان ہوئے) اللہ سے مشرکوں کے لئے مغفرت طلب نہ کریں چاہے وہ لوگ ان کے اقرباء میں سے ہوں۔

سارے علمائے اسلام متفق القول ہیں کہ اس آیت کے مطابق اگر کسی مسلمان کو یہ علم ہو کہ اس کا نزدیک ترین رشتہ دار مشرک ہے اور جہنم میں ہے تو اسے اس کے لئے بخشش طلب نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ایک مشرک جہنم ہی کی آگ میں جلنے کا مستحق ہے۔ اس کے بعد ابی لہب نے ابی طالب کے بارے میں پوچھا اور کہا آیا میرا بھائی ابی طالب بخش دیا گیا ہے یا نہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ابی طالب جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اُنہوں نے اپنے اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا تھا لہٰذا ان کا معاملہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

پھر ابی لہب نے کچھ اور بزرگوں کا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد بھی تھے، نام لیا اور پوچھا کہ آیا یہ لوگ بخش دیے گئے ہیں یا نہیں؟ جواب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر قرآنی آیت تلاوت کی اور کہا کہ اللہ کا حکم قطعی ہے اور اس میں تغیر و تبدل یا رعایت و مراعات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر حاضرین پر سناٹا چھا گیا اور کچھ دیر کے لئے کوئی کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ سب لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر متحیر و مبہوت رہ گئے تھے۔

دراصل عربوں میں اجداد کی شروع ہی سے بہت اہمیت تھی۔ عرب قبائل میں آباء و اجداد نہ صرف احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ ان کے قوانین اور رسومات کا منشا بھی ان

کے گزشتگان ہی ہوتے تھے۔ لہٰذا ہر گاہ جب کوئی ایسی مشکل پیش آتی جسے بادیہ نشین حل کرنے سے قاصر رہتے تو اپنے گزشتہ اجداد کی روش اور طریقہ کار کا مطالعہ کرتے کہ ایسے مشابہ مواقع پر وہ لوگ کیا قدم اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ ان کے گزشتہ اجداد کو تنقید کا نشانہ بنانا نہ صرف ان کی توہین بلکہ قبیلے کے تمام قوانین اور مروّجہ رسومات سے بغاوت کرنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

اس وقت تک اگرچہ حضرت محمد ﷺ اپنے دین کی منادی کرتے تھے اور اہل مکہ کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن اُنہوں نے اتنی صراحت اور بے باکی سے گزشتہ اجداد پر تنقید نہیں کی تھی لیکن اس دن ابی لہب کی محفل میں اُنہوں نے قریش کے تمام اجداد کے عقائد کو باطل قرار دیا اور ان کی دیرینہ رسومات کی نفی کر دی۔ حضرت محمد ﷺ ایک حقیقت گو انسان تھے اور حق کی بات کہتے ہوئے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اگر وہ ظاہری مصلحت اور موقع پرستی سے کام لے سکتے تو اتنے رنج و مصائب اُٹھانے سے محفوظ رہ سکتے تھے لیکن اُنہوں نے کسی خوف کے بغیر اپنے نظریات کر دیا اور اس بات کی قطعاً پروانہ کی کہ قریش کا ردِعمل کیا ہوگا۔

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے ابی لہب کی محفل میں بنو ہاشم کے تمام سرکردہ لوگوں کے سامنے ان کے اجداد کو ملامت کا نشانہ بنایا تو قبیلے کے سربراہ ابی لہب نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ آیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ محمد ﷺ کو قبیلہ بنی ہاشم سے باہر نکال دوں؟ سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ قبیلے کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمد ﷺ کو قبیلہ بدر کر دے کیونکہ ہمارے خیال میں اس کا ''جرم'' ایسا نہیں جسے بخشا جا سکے! ابی لہب نے بھی اسی وقت اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنے قبیلے سے نکال دیا ہے اور آج کے بعد ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس اعلان کے بعد مجلس ختم ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

پہلی مرتبہ جب حضرت محمد ﷺ ''قبیلہ بدر'' ہوئے تو قبیلہ قریش نے انہیں ترک کیا تھا اور جیسا کہ خاندان بنی ہاشم نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور حتیٰ کہ خاندان کے سربراہ ابی طالب اپنے بھتیجے کی حمایت میں خود بھی مکہ چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس ہوگئے اور اُنہوں نے وہیں پر کسمپرسی کے عالم میں اجل کو لبیک کہا تھا لیکن اس بار خود بنی ہاشم یعنی حضرت محمد ﷺ کے اپنے خاندان نے انہیں ترک کر دیا اور کہا کہ ہمارے خاندان میں محمد (ﷺ) ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں!

جس گھڑی بنی ہاشم کے سربراہ نے یہ فیصلہ دیا کہ محمد (ﷺ) کو قبیلے سے نکال دیا جائے تو اسی لمحہ سے پیغمبر اسلام ﷺ ایک ایسے شخص میں تبدیل ہو گئے کہ برسوں بعد جس کے بارے میں فرانس کے انقلابیوں نے ''قانون کے احاطے سے باہر'' کی اصطلاح ایجاد کی تھی یعنی ایسا شخص جو قانون کی حمایت سے محروم کر دیا جائے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی صورتحال ان لوگوں سے بھی زیادہ ابتر اور دردناک تھی جنہیں انقلاب فرانس کے دوران ''قانون کے احاطے سے باہر'' تصور کیا جاتا تھا کیونکہ فرانس میں اگر کوئی ایسے راندہ شدہ فرد کو قتل کرتا تو سزا کا مستحق قرار پاتا تھا اور صرف انقلابی عدالتیں ہی راندہ شدہ افراد کے سلسلے میں کوئی حکم نافذ کر سکتی تھیں لیکن مکہ میں راندہ شدہ شخص کا خون مباح تھا اور جو کوئی بھی چاہتا اسے قتل کر سکتا تھا، پکڑ کر فروخت کر سکتا تھا یا غلام بنا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر راندے ہوئے فرد کو زندہ آگ میں ڈالا جاتا تو بھی پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور نہ ہی مجرم کو سزا یا انتقام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ جزیرۃ العرب میں جب کسی قبیلے سے نکال دیا جاتا تو اس کی حیثیت اتنی ناچیز ہو جاتی تھی کہ اسے قبائلی جرگہ میں انصاف کی درخواست کرنے کا حق بھی نہیں پہنچتا تھا۔ جزیرۃ العرب میں قبیلے سے خارج ہونے والا شخص تمام سماجی و معاشی حقوق سے محروم ہو جاتا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جاتا تھا۔

ابی لہب نے حضرت محمد ﷺ کو قبیلے سے نکال کر انہیں یکدم ذی حیات کے زمرے سے خارج کر دیا اور مکہ کے خشک و سوزاں بیابانوں کے حوالے کر دیا۔

اس بار حضرت محمد ﷺ اکیلے رہ گئے..... بالکل اکیلے!

ماضی میں پیغمبر اسلام ﷺ جب بھی جسمانی یا روحانی تائم کا شکار ہوتے تو ان کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے زخموں کا مداوا کرتیں اور اپنے آرام بخش کلام سے ان کی روح کو تسکین پہنچاتی تھیں یا ان کے چچا ابی طالب انہیں حوصلہ و دلداری دیتے تھے لیکن اب خدیجہ تھیں نہ ابی طالب!

پیغمبر اسلام ﷺ نے جب اپنے آپ کو بالکل تنہا پایا تو اپنے اللہ سے استعانت طلب کی اور اس بار اللہ نے انہیں نہ صرف اپنی محبت اور شفقت سے نوازا بلکہ انہیں اپنے پاس بھی بلا لیا یعنی پیغمبر اسلام ﷺ نے زمین سے آسمانوں کا سفر کیا اور اس سفر کو مسلمان ''معراج'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہمارا سلطان سلیمان عالی شان

ذوالفقار احمد چیمہ

(بشکریہ روزنامہ جنگ، 6 نومبر 2013ء)

گزشتہ کچھ عرصہ سے میڈیا پر مغرب سے درآمد شدہ ایسی فلمیں اور ڈرامے پیش کیے جارہے ہیں جو بظاہر مسلمانوں کی طرف سے بنائے گئے ہیں اور سارے کردار بھی مسلمانوں کے ہیں تاہم اس ساری مہم کا حاصل مسلمانوں کو اپنے دین و مذہب سے بیزار کرنا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی مغربی ذہن کی پیداوار وہ سیریز ہیں جن میں حکومت عثمانی کو بدنام کرنے کی سازش کی گئی ہے، جس نے ظالمانہ رومی حکومت کا بت پاش پاش کر دیا تھا (1453ء) اور مشرق سے یورپ میں اسلام کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ یہی حکومت عثمانی وہ سلطنت تھی جو یورپ اور صہیونیت کے سینے میں پیوست خنجر بنی رہی، طویل سازشوں کے ذریعے اس عظیم سلطنت کے حصے بخرے کر دیے گئے اور پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی سے خلافت کا خاتمہ کر کے ملک کو سیکولر بنا دیا گیا۔ برطانوی ہند سے خلافت کی تحریک اُٹھی جو 'تخت و تاج برطانیہ' کو دو عشروں بعد لے ڈوبی اور پاکستان بن گیا۔ اسی خطہ سے صہیونیت کو ابھی خدشات ہیں کہ مسلم یوتھ کے رگ و ریشہ میں کہیں اسلامی جذبہ باقی نہ رہ جائے جس کے لیے سلطان محمد فاتح کی شخصیت کو داغدار کرنے اور مسلم نوجوان کو اسلاف سے متنفر کرنے کے لیے یہ سیریز چلائی جارہی ہیں۔ ذیل میں یہ کالم عثمانی حکمران کے سیرت و کردار پر روشنی ڈال رہا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ (ادارہ)

ہر محفل میں حکیم اللہ کی موت کا ذکر ہو رہا ہے مگر ہم موت کی بجائے زندگی کا ذکر کریں گے جو چھوٹی سکرین کے طفیل پانچ سو سال بعد حورم سلطان کو نصیب ہوئی ہے۔ ترکی کا ڈب کیا ہوا ڈرامہ ''میرا سلطان'' بہت مقبول ہے جسے عوام خصوصاً خواتین بڑے شوق سے دیکھتی ہیں۔ میرال اوکے (MERAL OKAY) کا لکھا ہوا یہ ڈرامہ سلطنت عثمانیہ کے دسویں حکمران سلیمان خان، شاہی خاندان، حرم کی کنیزوں، غلاموں، مصاحبوں، شاہی محل کی غلام گردشوں میں جنم لینے والی کہانیوں

اور درونِ خانہ ہونے والی سازشوں کی فلمی کہانی ہے۔ اگر اس زمانے میں پرائیویٹ چینل ہوتے تو ہر تین منٹ کے بعد کسی محلاتی خبر کی بریکنگ نیوز چلتی۔ ڈرامے کا مصنف (جو چند ہفتے پہلے وفات پا گیا ہے) ایک قسط میں جتنے موڑ ڈالتا ہے اتنی ہی کنیزیں مرواتا ہے۔ لگتا ہے ڈرامے کا ڈائریکٹر ہماری پنجابی فلموں کے کسی ڈائریکٹر کی شاگردی میں رہ چکا ہے جس نے ڈرامے میں لباس سمیت ہر قسم کی وہ بے ہودگیاں وافر مقدار میں ڈالی ہیں جو پست درجے کی فلموں کا حصہ ہوتی ہیں۔ عثمانی سلطنت کے بارے میں پہلے بھی کچھ پڑھ سن رکھا تھا۔ ڈرامے کی کچھ قسطیں دیکھ کر سلطان سلیمان کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ کچھ تاریخی حقائق قارئین سے بھی SHARE کرنا چاہوں گا۔ ڈرامہ دیکھ کر لگتا ہے کہ سلطان کا زیادہ وقت حورم اور دیگر کنیزوں کی کمپنی میں ہی گزرتا تھا اور وزیراعظم ابراہیم پاشا کے بھی یہی معمولات تھے۔ تاریخی حقائق ایسے نہیں ہیں۔

جری اور بہادر عثمانیوں کی تقدیر کا آغاز چودھویں صدی میں انقرہ کے قریب ایک چھوٹی سی زمینداری سے ہوا۔ ایک صدی بعد وہ درّہ دانیال کو عبور کر کے ایک تنگ آبنائے پر سے اپنی کشتیاں پار لے گئے اور قسطنطنیہ کی تہری فصیلیں پارہ پارہ کر کے اس پر قابض ہو گئے۔ عثمانیوں کے عروج کی داستان حیرت انگیز ہے وہ وسط ایشیا کے پہلے جنگجو تھے جنہوں نے یورپ پر یورش کی اور وہاں حکومت قائم کی۔ سولہویں صدی تک وہ ایک سپر پاور بن چکے تھے جنہوں نے خیر الدین بار بروسا کی مدد سے اس وقت کی سب سے بڑی نیوی تیار کی اور سمندروں پر تسلط قائم کیا۔ مسلم ترکوں کے پاس اس وقت اتنے بحری جہاز تھے کہ اس وقت کے تمام یورپی ممالک کے جہاز جمع کیے جائیں تو بھی وہ عثمانی سلطنت سے کم تھے۔ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) طاقتور رومن ایمپائر کا پایۂ تخت تھا جسے مسلمانوں نے پہلے بھی کئی بار فتح کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 1453ء میں ساتویں عثمانی ترک حکمران سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ تسخیر کیا اور سلطان محمد فاتح کہلایا۔ اس عظیم فتح کے بعد محمد فاتح نے مفتوح عیسائیوں کا قتل عام نہیں کیا بلکہ یہ قانون نافذ کیا کہ ''آج کے بعد مسلمان اور عیسائی رتبے میں برابر ہوں گے''۔ سلطان محمد کے بیٹے بایزید نے تخت نشین ہو کر ایک اور حکم جاری کیا جس کی رو سے عثمانی ترکوں پر لازم تھا کہ وہ یورپ کے ان ملکوں کے باشندوں سے زیادہ تعلیم حاصل کریں جنہیں انہوں نے تسخیر کیا تھا۔ ان دونوں سلطانوں کے ساٹھ سالہ دور میں

ہر دو قوانین پر سختی سے عمل کیا گیا۔ بایزید زندگی ہی میں اس کے بیٹے سلیم نے بغاوت کر دی مگر بوڑھے باپ سے شکست کھائی اور اپنے سسرال کریمیا کے تاتاریوں کے پاس پناہ حاصل کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بایزید نے سلیم کا بلا بھیجا اور اس کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔ سلطان سلیم بڑا زیرک اور سخت گیر تھا۔ اس کے دور میں ترکوں نے شمالی افریقہ کے علاوہ فلسطین سمیت پوری سرزمین عرب کو فتح کیا اور یورپ کی جانب یورش کی۔ یورپی حکمران عثمانی ترکوں کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ سلطان سلیم کی وفات پر پاپائے روم لیو دھم شکر بجالایا کہ کچھ عرصے کے لئے ترکوں کا خطرہ ٹل گیا کیونکہ ترکوں کا سلطان جو افق پر شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا یورپ میں داخل ہوتے ہی غروب ہو گیا۔ اس کی وفات پر پاپائے روم نے خوشیاں منانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ سارے رومتہ اکبری میں بھجن گائے جائیں۔

سلطان سلیمان اپنے والد سلطان سلیم کی وفات کے بعد 1520ء میں 26 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی پر ایک یورپین صحافی نے لکھا: ''کہ ایک نوجوان میمنہ ایک خوفناک شیر کا جانشین بنا ہے کیونکہ سلیمان آرام کی زندگی گزارنا چاہتا ہے''۔ یہ پیش گوئی غلط ثابت ہوئی۔

ہیرالڈ لیم میں لکھتا ہے کہ ''عثمانی روایات کے مطابق نئے سلطان سلیمان کی تاج پوشی یا حلف برداری کی رسم شہید صحابی حضرت ایوب رضی اللہ عنہ انصاری (جنہیں ہجرت کے وقت میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہوا) کے مزار پر ہوئی۔ یہاں کے متولی اور بزرگ سلطان کو تلوار پیش کرتے، سلطان کی کمر سے تلوار باندھنے کے بعد بزرگ درویش ہاتھ پکڑ کر سلیمان کو ایک بلند چبوترے پر لے گیا۔ عوام کا بہت بڑا اجتماع اس تقریب میں موجود تھا۔ مرد بزرگ نے با آواز بلند کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو سلطان بنایا جا رہا ہے۔ اے آل عثمان کے سرتاج! خدا تجھے نیک ہدایت دے۔ کیونکہ اگر تو غلط راستے پر چلا تو خدا تیرا ساتھ نہ دے گا'' والد کو قبر میں اتارنے کے ساتھ ہی نئے حکمران سلیمان نے حکم دیا کہ اس کے والد کے مقبرے کے ساتھ ایک مسجد، بیماروں کے لئے شفا خانہ، مسافروں کے لئے سرائے اور حصول علم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ عوام میں یہ تاثر بہت جلد پھیل گیا کہ سلطان سلیمان کے پاس جو بھی انصاف طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا اس کے ساتھ انصاف کیا گیا خواہ وہ اجنبی ہو، کسان ہو یا عیسائی رعایا ہو۔

سلطان سلیمان نے بہت سی جنگوں کی خود کمان کی۔ بے پناہ بہادر اور ذہین سلطان کی

یلغار اور تلوار کے آگے کوئی نہ ٹھہر سکا۔ ذرا سوچئے یورپ آج ہمارے لاکھوں نوجوانوں کے لئے امکانات اور آرزوؤں کی جنت اور عالمی سیاست کا پردھان ہے۔ سلیمان کے برق رفتار گھوڑوں نے چند سالوں میں ہی آدھے یورپ کو روند ڈالا۔ سلطان نے جدھر کا رخ کیا فتح کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ شہر اور ملک یکے بعد دیگرے اس کے قدموں میں ڈھیر ہوتے گئے۔ پہلے ہی سال بلغراد فتح ہو گیا پھر بوڈاپسٹ اور ہنگری فتح ہوا اور اس کا حکمران لوئیس مارا گیا۔ وہ رہوڈز پر چار سو بحری جہازوں کے ساتھ حملہ آور ہوا اور اسے فتح کیا، بلقان کی ساری ریاستیں اس کے زیر نگیں آ گئیں۔ روس غیر معروف تھا اور انگلستان اور جرمنی اس وقت کمزور ملک تھے۔ فرانس کے حکمران نے سلطان سے دوستی کر کے عافیت حاصل کی۔ اٹلی کا بڑا حصہ سلطنت کا حصہ بنا، ہنگری فتح کرنے کے بعد سلطان کی فوجیں آسٹریا کی دہلیز پر پہنچ گئیں تو وہاں کا حکمران فرڈیننڈ فرار ہو گیا۔ ترک فوجوں نے کئی ماہ تک ویانا کا محاصرہ کیے رکھا۔ موسم کی شدت محصورین کا ساتھ نہ دیتی اور سلطان واپسی کا قصد نہ کرتا تو آج یورپ کی تقدیر مختلف ہوتی۔ سلطان نے مشرق کا رخ کیا تو تبریز تک جا پہنچا اسے چھوڑ کر بغداد پر تسلط قائم کیا۔ یمن، مسقط، اومان، مراکش، تیونس، الجزائر، انڈونیشیا، فلسطین اور ارضِ حجاز سب مسلم عثمانی سلطنت کے حصے تھے۔ عثمانیوں نے ارضِ حجاز کی فتح کے بعد حرمین کی توسیع و تزئین بے پناہ عقیدت سے مکمل کی۔ بغداد کی فتح کے بعد سلطان سلیمان نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبروں کی تعمیر و تزئین کرائی۔ مشہور کہاوت ہے کہ 'جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے' مگر سلطان کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ کے دوران سوار کو عصا سے اس لئے زدوکوب کیا گیا کہ اس نے کھیت میں پکی ہوئی فصل کو کچل ڈالا تھا اور پھر ایک بار اپنے ہی ایک بندوقچی کا سر اس جرم پر قلم کر دیا گیا کہ اس نے باغ سے پھل چرائے تھے۔ پاپائے روم کے قریب ترین صحافی یعنی اس کے پریس سیکرٹری نے لکھا ہے ''جنگ کے عالم میں ترکوں کا فوجی نظم و ضبط اس لئے اعلیٰ ہے کہ وہ انصاف اور ضبطِ نفس پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے ترک رومیوں سے برتر ہیں''۔

مسلم حکمرانوں میں سلطان سلیمان کی شخصیت کے بارے میں یورپی رائٹرز نے سب سے زیادہ لکھا ہے۔ شیکسپیئر نے بھی اپنی شاعری اور ڈراموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ غیر مسلم مؤرّخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ طویل قامت اور باوقار تھا اس کی طبیعت سے متانت اور اپنے

آپ پر اعتماد کا اظہار ہوتا تھا۔ جو اسے دیکھتا اس کی تعریف کرتا اور دعائیں دیتا تھا۔ وہ بہت ذہین، متوازن اور نفاست پسند تھا۔ دریائے ڈینیوب سے لے کر دریائے نیل کے دھانے تک کوئی دروازہ ایسا نہ تھا جو اس پر بند ہو۔ تین براعظموں پر اس کا تسلط تھا۔ بلاشبہ عثمانی ترکوں کی حکومت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور سلطان سلیمانِ اعظم دنیا کا طاقتور ترین انسان تھا جس کے دربار میں یورپی ملکوں کے نمائندے اسی طرح عاجزانہ اور خوشامدانہ انداز اختیار کرتے جس طرح آج کل تیسری دنیا کے ملکوں کے نمائندے امریکہ، یورپ اور چین میں کرتے ہیں۔ یہ حقائق تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کا یہ باب مسلمانوں کے لئے ہمیشہ باعث افتخار رہے گا۔ جب غلام ہندوستان کے شہری انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے تو ایک جلوس کے قریب ہی لاہور کی مال روڈ پر صفائی کرتے ہوئے ایک عیسائی خاکروب نے دوسرے سے پوچھا کہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ''ایہہ ساڈے کولوں آزادی منگدے پھردے نے'' (یہ ''ہم'' سے آزادی مانگ رہے ہیں) خاکروب نے اپنا رشتہ عیسائی انگریز حکمرانوں کے ساتھ جوڑ لیا اور یہ رشتہ آج بھی کمزور نہیں ہوا۔ تو کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا ان عثمانی ترکوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں بنتا جنہوں نے حرم کی پاسبانی اور گنبد خضریٰ کی نگہبانی کے لئے ساری عقیدتیں اور محبتیں نچھاور کر دیں۔ ایک دانشور دوست نے کئی بار کہا کہ جب یورپ مؤرّخین کی تحریر پڑھتا ہوں کہ ''سلطان سلیمان کے نام سے یورپی حکمرانوں کی ٹانگیں کانپتی تھیں اور اس کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سے ان کے دل لرزتے تھے'' تو قلب و دماغ ہی نہیں روح تک جھوم اُٹھتی ہے۔ مگر جب اقبال پوچھتا ہے کہ ؎

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

تو سوائے ندامت کے کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ سلطان سلیمان چھیالیس سال تک وقت کی سپر پاور کا حکمران رہا۔ اس کی سلطنت کی وسعت اور شان و شوکت کے پیش نظر مؤرّخ اسے سلیمانِ اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یورپ میں وہ SULEMAN THE MAGNIFICENT (سلیمان عالی شان) کے نام سے معروف ہے۔ دنیائے اسلام میں اس کی قانونی اصلاحات کے باعث اسے 'سلیمان قانونی' بھی کہا جاتا ہے۔ سلیمان کو علم و ادب سے خاص شغف تھا۔ وہ تیغ اور

قلم دونوں کا دھنی تھا۔ اس وقت کے یورپی مؤرّخ عثمانی سلطنت کی طاقت اور وسعت کو ان کی جفاکشی اور بہادری سے منسوب کرتے مگر بہت سے راز دانوں کے نزدیک ان کی حیرت انگیز طاقت کا راز وہ 'درس گاہ' تھی جو سلیمان کے جدامجد سلطان محمد فاتح نے تعمیر کرائی تھی۔ آج کل کے کیڈٹ کالج کے طرز پر بنائے گئے اس ادارے کا ڈسپلن انتہائی سخت تھا اس کے ہوسٹلوں میں آٹھ سے اٹھارہ سال کے چھ سولڑ کے رہتے تھے۔ پہلی تیس پوزیشنیں حاصل کرنے والے سلطان کے مقربین بنتے اور انہیں نظم ونسق کے اعلیٰ عہدے دیے جاتے۔ سلطان سلیمان نے خود بھی اسی سختی اور پابندی کے ساتھ تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ کئی یورپی مؤرّخین کی رائے میں عثمانی ترکوں کے ''اس مدرسے کی تعلیم وتربیت کا معیار یورپ کے تعلیمی اداروں سے کہیں بلند تھا''۔ راز کھل گیا کہ ان کی عظمتوں اور اوجِ کمال تک پہنچنے کا موجب تعلیم، حصولِ علم کا جنون تھا۔

جہاں تک حرم کا تعلق ہے یورپی مؤرّخ ہیرالڈلیم لکھتا ہے کہ ''محل سرائے میں ایک دالان حرم کے حصے کو سلطان کے دیوان خانے سے جدا کرتا تھا۔ جب سلطان حرم میں داخل ہونے لگتا تو دستور کے مطابق پہلے کہلا بھیجتا۔ حرم کی عورتیں پردہ دار تھیں''۔ ایک اور یورپین رائیٹر نے لکھا ہے کہ ''یہاں کی عورتیں خوب صورت اور خوش اندام ہوتی ہیں۔ وہ جب باہر نکلتی ہیں تو نقاب پہنے ہوتی ہیں، سڑکوں پر وہ برقع کی آستینوں میں اپنے ہاتھ چھپالیتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ ان کا ہاتھ بھی کسی کو نظر آجائے تو انہیں بے حیا اور بیسوا سمجھا جائے گا۔ بحیثیت سلطان سلیمان کا گھر فوج کے خیموں میں تھا وہ بہت کم حرم سرا میں جایا کرتا تھا۔ مگر ترک حکمرانوں میں مطلق العنان بادشاہوں والی خامیاں بھی تھیں۔ بغاوت کے خطرے کے پیش نظر سلیمان نے اپنے وزیراعظم ابراہیم پاشا اور دو بیٹوں مصطفیٰ اور بایزید کو قتل کرا دیا۔ اس کے دامن پر لگا ہوا یہ داغ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ عثمانی ترک بے شک اپنے پیشروؤں جیسے نہ تھے۔ ترک فوج کا مقابلہ یرموک اور قادسیہ میں لڑنے والے مسلمانوں سے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ درس گاہِ رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آفتاب کی روشنی ان جیسے اعلیٰ کردار کے انسانوں کو پھر کبھی نہ دیکھ پائے گی۔ ذاتی کردار میں صلاح الدین ایوبی ان سے اَرفع تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود عثمانی ترک بشمول سلطان سلیمان آج کے دور کے ہم جیسے مسلمانوں سے بہتر مسلمان اور بہتر انسان تھے۔

آئینۂ حکمت بالغہ

2013ء

سال 2013ء کے شماروں کے مضامین کی فہرست کو یکجا کر کے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں تا کہ تمام مضامین کو ایک نگاہ میں دیکھنے اور کسی مضمون کی تلاش میں آسانی ہو سکے۔(ادارہ)

مشمولات جنوری 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
3	نبوت محمدی ﷺ کا عقلی ثبوت	سیّد ابوالاعلیٰ مودودی	11
4	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں	انجینئر مختار فاروقی	28
5	تین عالمی طاقتیں	ضمیر اختر خان	39
6	خودی کی حقیقت	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	43
7	یاجوج ماجوج نمبر پر............تأثرات		52
8	تبصرہ وتعارف کتب		55

مشمولات فروری 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
3	ختم نبوت، آسمانی ہدایت......قتل انبیاء، جھوٹے مدعیانِ نبوت	انجینئر مختار فاروقی	7
4	مایوسی گمراہی ہے	شمس الحق اعوان	39
5	یورپ پر اسلام کے احسانات سلسلہ وار 2	انجینئر مختار فاروقی	47
6	عمل پیہم کی تابناک مثال، قاضی حسین احمد	حافظ انجینئر نوید احمد	60
7	تبصرہ وتعارف کتب		63

مشمولات مارچ 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
3	اسلام کا فلسفہ اسماء والقاب	حافظ مختار احمد گوندل	13
4	یورپ پر اسلام کے احسانات، سلسلہ وار 3	انجینئر مختار فاروقی	28
5	ازواج النبی ﷺ و رضی اللہ عنہن کے تذکرے میں		

	جمع مذکر حاضر کی ضمیر کیوں؟	فضل الرحمٰن عرفانی	47
6	قرآن اکیڈمی جھنگ میں		
	ایک تعارفی نشست اور تقریب رونمائی	انجینئر عبداللہ اسماعیل	54
7	مدیر کے نام		60

مشمولات اپریل 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	عوامی حاکمیّت یا اللہ کی حاکمیّت	احمد بلال	10
5	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں 2	انجینئر مختار فاروقی	23
6	یورپ پر اسلام کے احسانات، سلسلہ وار 4	انجینئر مختار فاروقی	42
7	ولادت نبویہ ﷺ، سیف بن ذی یزن کی شہادت	مولانا ظفر احمد عثمانی	55
8	تبصرہ وتعارف کتب		61
9	مدیر کے نام		63

مشمولات مئی 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں سب سے		
	اہم ریاستی ستون، ایک نظریاتی نظام تعلیم ہے	انجینئر مختار فاروقی	9
5	ووٹ، ووٹر اور اُمیدوار کی شرعی حیثیت	مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ	30
6	اسلام اور سائنس	ڈاکٹر رفیع الدین	35
7	آج کا تصور کل کی حقیقت	عبدالرزاق	44
8	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں 3	انجینئر مختار فاروقی	52
9	مدیر کے نام		62

مشمولات جون 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اِسلام اور سائنس (2)	ڈاکٹر رفیع الدین	10
5	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں 4	انجینئر مختار فاروقی	27

6	'بچے دو ہی اچھے' کے مغربی فلسفہ کے ہولناک نتائج	انجینئر مختار فاروقی	37
7	اور.....میں مسلمان ہو گیا		55
8	تبصرہ وتعارف کتب		61

مشمولات جولائی 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اسلام اور سائنس (3)	ڈاکٹر رفیع الدین	9
5	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں		
	5ویں اور آخری قسط	انجینئر مختار فاروقی	25
6	رمضان المبارک کا مقصد؟	انجینئر عبداللہ اسماعیل	36
7	روزے کے فوائد وثمرات	مفتی عطاالرحمٰن	42
8	اشیائے صرف میں سور کی چربی کا استعمال	محمد فاروق قریشی	53
9	مدیر کے نام		56
10	یاجوج ماجوج نمبر پر عالمی ترجمان القرآن کا تبصرہ		61

مشمولات اگست 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	صہیونیت ___ حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں.....	انجینئر مختار فاروقی	12
5	حقیقت صیام وقیام رمضان	انجینئر مختار فاروقی	35
6	اسلام اور سائنس (4)	ڈاکٹر رفیع الدین	53
7	تبصرہ وتعارف کتب		62

مشمولات ستمبر 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	تقسیم وراثت	مولانا محمد صدیق ہزاروی	7
5	نجات کی راہ	انجینئر مختار فاروقی	18
6	اسلام اور سائنس (5)	ڈاکٹر رفیع الدین	32
7	سب سے بڑے ظالم شخص کے منفی کردار.....	انجینئر مختار فاروقی	39

8	مدیر کے نام		61

مشمولات اکتوبر 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو		8
4	باب1 تمہید		13
5	باب2 لغوی بحث		21
6	باب3 اہل علم کی تحریریں		35
7	باب4 درود شریف پڑھنے کے40.....		47
8	باب5 رسول رحمت ﷺ کی رحمت للعالمینی.....		59

مشمولات نومبر 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اسلام اور سائنس (آخری قسط)	ڈاکٹر رفیع الدین	9
5	آنکھوں کی خیانت	غلام قادر ہراج 28	
6	حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت.....		33
7	مسلم دنیا کی آبادی میں تبدیلیاں	احمد سراج	50
8	بچے موسیقی اور شیطانیت	ڈاکٹر قاسم جان 56	
9	تبصرہ وتعارف کتب		61

مشمولات دسمبر 2013ء

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرف آرزو	انجینئر مختار فاوقی 6	
4	خلافت راشدہ کے معاشرتی احسانات	ڈاکٹر مستفیض احمد علوی	13
5	اقبال اور دانش حاضر	ڈاکٹر طالب حسین سیال	29
6	احیائے سنت نبوی ﷺ	ضمیر اختر خان 41	
7	ہمارے گھر، ہمارے تعلیمی ادارے	عبدالرشید ارشد 46	
8	حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت		52
9	شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم تالیف.....		59

The Farewell Pilgrimage

Martin lings
(ابوبکر سراج الدین)

WHEN the Prophet was in Medina during Ramadan it was his wont to make a spiritual retreat in the Mosque during the middle ten days of the month, and some of his companions would do the same. But this year, having kept the ten appointed days, he invited his companions to remain in retreat with him for another ten days, that is until the end of the month, which they did. It was in Ramadan every year that Gabriel would come to him to make sure that nothing of the Revelation had slipped from his memory; and this year, after the retreat, the Prophet confided to Fatimah, as a secret not yet to be told to others: "Gabriel recited the Koran unto me and I unto him once every year; but this year he hath recited it with me twice. 1 cannot but think that my time hath come.

The month of Shawwal passed; and in the eleventh month of the year it was proclaimed throughout Medina that the Prophet himself would lead the Pilgrimage. The news was sent to the desert tribes, and multitudes flocked to the oasis from all directions, glad of the opportunity of accompanying the Messenger at every step of the way. The Pilgrimage would be unlike any that had taken place for hundreds of years; the

pilgrims would all be worshippers of the One God, and no idolater would desecrate the Holy House with the performance of any heathen rites. Five days before the end of the month the Prophet set out from Medina at the head of over thirty thousand men and women. All his wives were present, each in her howdah, escorted by ' Abd ar-Rahman ibn ' Awf and 'Uthman ibn 'Affan. Abu Bakr was accompanied by his wife, Asma', and at one of the first halts she gave birth to a son, whom they named Muhammad. Abu Bakr was for sending her back to Medina, but the Prophet told him to tell her to perform the greater ablution and then to consecrate herself for the Pilgrimage, and to go with them as she had planned.

At sunset on the tenth day after leaving Medina the Prophet reached the pass through which he had entered Mecca on the day of the victory. There he spent the night, and the next morning he rode down to the Hollow. When he came within sight of the Ka'bah he raised his hands in reverence, letting fall the rein of his camel, which he then took up in his left hand, and with his right hand held out in supplication he prayed: "O God, increase this House in the honour and magnification and bounty and reverence and piety that it received from mankind!" He entered the Mosque and made the seven rounds of the Ka'bah, after which he prayed at the Station of Abraham. Then going out to Safa he went seven times between it and Marwah, and those who were with him did their best to record in their memories the exact words of praise and prayer that he uttered at every station.

Returning to the Mosque, he now entered the Ka'bah with the keeper of its keys, 'Uthman of 'Abd ad-Dar, taking with him also Bilal and Usamah as before. But that evening when he visited 'A'ishah in her tent she noticed that he was sad and asked him why. "I have done a thing today," he said, "that I would I had not done. I entered the House; and it may be that a man of my

people" - he meant in years to come - "will not be able to enter it and that he will therefore feel some disquiet in his soul. And we were only ordered to go round it, not ordered to enter it."

Again he refused to lodge in any house in Mecca despite the plea of Umm Hani' that he would stay with her; and on the eighth day of the new moon he rode to the valley of Mina followed by the rest of the pilgrims. Having spent the night there, he rode on after daybreak to 'Arafah, a broad valley about thirteen miles east of Mecca, just outside the sacred precinct. 'Arafah is on the road to Taif and is bounded north and east by the mountains of Taif. But separate from these, and surrounded on all sides by the valley, is a hill which is also named 'Arafah or the Mount of Mercy. It is the central part of this pilgrimage station, which extends none the less over most oi the lower ground; and it was on this hill that the Prophet took up his station that day.

Some of the Meccans expressed surprise that he had gone so far, for while the other pilgrims went on to 'Arafah Quraysh had been accustomed to remain within the sacred precinct saying: "We are the people of God." But he said that Abraham had ordained the day on 'Arafah as an essential part of the Pilgrimage, and that Quraysh had forsaken his practice in this respect. The Prophet stressed that day the antiquity of the Pilgrimage, and the words "Abraham's legacy" were often on his lips.

To impress on all the tribes that henceforth blood feuds were at an end throughout the whole community of Islam and that each man's life and possessions were sacrosanct, he sent as crier throughout the multitude Safwan's brother Rabl'ah, who had a powerful voice, and told him to proclaim: "The Messenger of God saith: See ye what month this is?" They were silent, and he answered: "The holy month." Then he asked: "See ye what land this is?" Again they were silent and he answered: "The holy

land." Then he said: "See ye what day this is?" And again it was he who gave the answer: "The day of the Greater Pilgrimage." Then he proclaimed according to the Prophet's instructions: "Verily God hath made inviolable for you each other's blood and each other's property, until ye meet your Lord, even as He hath made inviolable this your day, in this your land, in
this your month."

When the sun had passed its zenith the Prophet preached a sermon which he began, after praising God, with the words; "Hear me, O people, for 1 know not if ever I shall meet with you in this place after this year." Then he exhorted them to treat one another well and gave them many reminders of what was commanded and what was forbidden. Finally he said: "I have left amongst you that which, if ye hold fast to it, shall preserve you from all error, a clear indication, the Book of God and the word of His Prophet. O people, hear my words and understand." He then imparted to them a Revelation which he had just received and which completed the Koran, for it was the last passage to be revealed: This day the disbelievers despair of prevailing against your religion, so fear them not, but fear Mel This day have I perfected for you your religion and fulfilled My favour unto you, and it hath been My good pleasure to choose Islam for you as your religion. '

He ended his brief sermon with an earnest question: "O people, have I faithfully delivered unto you my message ?" A powerful murmur of assent, "O God, yea!", arose from thousands of throats and the vibrant words Allahumma na'm rolled like thunder throughout the valley. The Prophet raised his forefinger and said: "O God, bear witness!"

The ritual prayers were then prayed and the rest of the Day of 'Arafah, as it is called, was spent in meditation and supplication. But as soon as the sun had set the Prophet

mounted his camel, and bidding Usamah mount behind him he rode down from the hill and across the valley in the direction of Mecca, followed by his fellow pilgrims. It was the tradition to ride quickly at this point, but at the first signs of excess he cried out: "Gently, gently! In quietness of soul! And let the strong amongst you have a care for the weak!" They spent the night at Muzdalifah, which is within the sacred precinct, and there they collected small pebbles with which to stone Satan, who is represented by three pillars at 'Aqabah in the valley of Mina. Sawdah asked the Prophet's permission to leave Muzdalifah in the small hours. Being large in stature and heavier than most of the women, she had suffered more from the heat and from the exertions of travel, and she was anxious to perform the rite of stoning before the multitude arrived. So he sent her on ahead in the company of Umm Sulaym, escorted by ' Abd Allah, one of the sons of 'Abbas.

The Prophet himself prayed the dawn prayer in Muzdalifah, and then led the pilgrims to 'Aqabah, with Fadl mounted behind him on his camel. It was at this very spot on this very day twelve years previously that he had met the six men of Khazraj who had pledged their allegiance to him, thus preparing the way for the First and Second 'Aqabah pacts. After the stoning, the animals were sacrificed, and the Prophet called for a man to have his head. The pilgrims gathered round him in the hopes of obtaining some locks of his hair. Abu Bakr remarked afterwards on the contrast between the Khalid of Uhud and the Trench and the Khalid who now said: "O Messenger of God, thy forelock! Give it unto none but me, my father and my mother by thy ransom!" 3 And when the Prophet gave it him he pressed it reverently against his eyes and his lips.

The Prophet now bade the pilgrims visit the Ka'bah and return to spend that night and the two next nights in Mina. He

himself waited untilthe late afternoon. Then his wives accompanied him to Mecca, all but 'A'ishah, who was not in a state of ritual purity. A few days later, as soon as she was able, he sent her outside the sacred precinct, escorted by her brother 'Abd ar-Rahman. There she consecrated herself afresh, and going to Mecca she made the rounds of the Ka'bah.

Having finished the campaign in the Yemen, the troop of three hundred horse that the Prophet had sent out in Ramadan was now approaching Mecca from the south. 'All had ridden on ahead of his men, eager to meet the Prophet as soon as possible and to make with him the Pilgrimage, which he now had done. Amongst the state's fifth of the spoils there was enough linen to clothe the whole army, but 'All had decided that it must be handed over to the Prophet untouched. In his absence, however, the man he had left in charge was persuaded to lend each man a new change of clothes out of the linen. The change was much needed for they had been away from home for nearly three months. When they were not far from entering the city, 'All rode out to meet them and was amazed to see the transformation that had taken place. "I gave them the garments," said the deputy commander, "that their appearance might be more seemly when they entered in among the people." The men all knew that everyone in Mecca would now be wearing their finest clothes in honour of the Feast, and they were anxious to look their best. But 'All felt he could not countenance such a liberty and he ordered them to put on their old clothes again and return the new ones to the spoils. Great resentment was felt throughout the army on this account, and when the Prophet heard of it he said: "O people, blame not 'All, for he is too scrupulous in the path of God to be blamed." But these words were not sufficient, or it may be that they were only heard by a few, and the resentment continued.

On the way back to Medina one of the troops bitterly

complained of 'AIT to the Prophet, whose face changed colour. "Am I not nearer to the believers than their own selves?" he said; and when the man assented, he added: "Whose nearest I am, his nearest 'All is." Later on the journey, when they had halted at Ghadlr al-Khumm, he gathered all the people together, and taking 'All by the hand he repeated these words, to which he added the prayer: "O God, be the friend of him who is his friend, and the foe of him who is his foe"; and the murmurings against 'All were silenced.

One of the deputations of the previous year had been from a Christian tribe in Yamamah, the Bani Hanifah, whose territory lay along the eastern boundary of Najd. They had agreed to enter Islam; but now one of their men, Musaylimah by name, claimed that he too was a Prophet, and not long after the return of the pilgrims from Mecca the following letter was brought to Medina by two envoys from Yamamah: "From Musaylimah the Messenger of God to Muhammad the Messenger of God, peace be on thee! It hath been given me to share with thee the authority. Half the earth is ours, and half belongeth unto Quraysh, although they are a people who Ibn Kathir, al-Bidayah wa n-nihayah, transgress." The Prophet asked the envoys what they thought of the matter and they said: "Our opinion is even as his." "By God," said the Prophet, "if it were not that envoys may not be slain I would cut off your heads." Then he dictated a letter for them to give to their master: "From Mu- hammad the Messenger of God to Musaylimah the liar. Peace be on him who followeth the guidance! Verily the earth is God's; He causeth whom He will of His slaves to inherit it; and the final issue is in favour of the pious".

Two other impostors arose about this time, Tulayhah, a chief of theBani Asad, and Aswad ibn Ka'b of the Yemen. The Yemenite had a brief success and rapidly gained control over a

wide area, but his pride soon turned many of his followers against him; and after a few months he was assassinated. Tulayhah was finally defeated by Khalid, and renouncing all his claims he became a strength for Islam. As to Musaylimah, it was his destiny to be pierced by a javelin from the hand of Wahshl, while 'Abd Allah, the son of Nusaybah, struck him a mortal blow with his sword. But this defeat took place several months later. For the moment, as the moon of the Pilgrimage waned and as the eleventh year of the Hijrah opened, all these impostors were potential dangers to Islam; and there was also a woman of Tamlm named Sajah, who claimed to be a prophetess. But the Prophet was not disposed to take immediate action against any of them. His attention was turned towards the north, and in the last days of Safar, the second month of the year, that is the end of May in ad 631, he decided that the time had come to reverse the defeat of Mut'ah. Having ordered preparations to be made for a campaign against those Arab tribes of Syria which had flanked the imperial legions on the day when Zayd and Ja'far were killed, he called Zayd's son Usamah to him and put him, despite his youth, in command of the three-thousand-strong army.

وہ دانائے سبل ختم الرسلؐ مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

مرے حضور ﷺ نگاہِ کرم

خواجہ عابد نظامی

رسولِ رحمت و رافت، پیمبر ملہم
بنائے کون و مکاں، جانِ جاں، جمیل شیم

قرارِ قلب پریشاں، پناہ گاہِ جہاں
انیس غم زدگاں، چارہ سازِ دَرد و الم

حبیب خالق اکبر، مرادِ جن و بشر
بہار حسن ازل، رونق وجود و عدم

اُنہی کے ذکر کی خاطر خدا نے دی ہے زباں
اُنہی کی مدح و ثنا کے لئے ملا ہے قلم

وہ جن کے اسم گرامی محمدؐ و احمدؐ
متینؐ و عاقبؐ و مدثرؐ و حکیمؐ و حکمؐ

سعیدؐ و سعدؐ و بشیرؐ و نذیرؐ و مزملؐ
رشیدؐ و راشدؐ و یاسینؐ و افضلؐ و اکرمؐ

وہ جن کے پیار کا دم کل زمانہ بھرتا ہے
خدائے پاک نے کھائی ہے جن کی جاں کی قسم

وہ جن کی مدح میں قرآن پاک اُترا ہے
ہے کس میں تاب کرے اُن کی نعت زیب رقم

وہ جن کے روضہ پہ ہر دم ملائکہ کا نزول
وہ جن کے نقش قدم پر جبین چرخ ہے خم

وہ جن کے اُمتی ہونے کے سب ہی خواہاں تھے
کلیمؑ و یونسؑ و ہارونؑ و عیسیٰؑ مریمؑ

وہ جن کے دوست ابوبکرؓ و حیدرؓ و عثمانؓ
زبیرؓ و طلحہؓ و فاروقؓ و بوذرؓ و ارقمؓ

بلالؓ و خالدؓ و سعدؓ و زیادؓ و عبداللہؓ
صہیب رومیؓ و سفیانؓ و عروہؓ و اسلمؓ

ابوہریرہؓ و مقدادؓ و نوفلؓ و سلماںؓ
نثار سب پہ مری جاں، عیال، مال، اَب وعم

محمد عربیؐ جن کی رحمتوں کے طفیل
عرب ہے مطلع انوار، مستنیر عجم

وہی ہیں بعد خدا سب سے افضل و اعلیٰ
وہی ہیں صاحب لولاک و صدرِ بزم اُمم

وہ جن کا نامِ مبارک زباں پہ آتے ہی
ہو شاد و خرم و مسرور، خاطر پر غم

وہ جن کے در سے کوئی لوٹتا نہیں خالی
وہ جن کو حق نے بنایا ہے رحمت عالمؐ

اُسی کی بارگہ قدس میں، میں آیا ہوں
بہ حالِ زار، دلِ ناصبور و شکل الم

نفاقِ ملت بیضا سے زخم زخم ہے دل
عدوئے دین کی نگاہیں ہیں آج سوئے حرم

مجھے رُلاتی ہے اُمت کی تفرقہ بازی
تمام دشمن ملت ہیں متحد باہم

مرے حضورؐ! زمانہ ہمارا دشمن ہے
میرے حضورؐ! نگاہِ کرم، نگاہِ کرم

تعارف

اردو۔عربی نشریہ　　　اخبارِ تحقیق

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تحقیقی ادارہ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا دولسانی نشریہ ''اخبارِ تحقیق'' جاری کر دیا گیا ہے۔ یہ نشریہ دو سال کے انقطاع کے بعد 2013ء کے خصوصی شمارہ کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے، اس شمارے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پہلی بار اُردو کے علاوہ عربی میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ یہ نشریہ ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی کے خطباتِ سیرت، ڈاکٹر احمد یوسف الدریویش کی کتب کے ساتھ ساتھ بے شمار کتب کے تعارف پر مشتمل ہے۔ اس کے عربی حصے میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا مکمل تعارف، عالم اسلام کی خبریں اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔

یہ خصوصی شمارہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے نائب سربراہ ڈاکٹر سہیل حسن کی نگرانی اور سیّد مزمل حسین کی ادارت میں شائع ہوا ہے۔

شعبۂ مطبوعات: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔اسلام آباد

فون: 92512254874+؛ ای میل: <iri.publications@gmail.com>

حکمت بالغہ

کے مشن میں تعاون کریں

بچہ کار آیدت ز گل طبقے؟

پھولوں کا طبق تیرے کس کام آئے گا

از گلستان من ببر ورقے

میری گلستان کا ایک ورق لے جا

گل ہمیں پنج روز شش باشد

پھول یہی پانچ چھ روز رہے گا

ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد

اور یہ گلستان ہمیشہ تازہ رہے گا

(حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

اپنے دوستوں کو حکمت بالغہ

کی سالانہ خریداری کا تحفہ دیں

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات

زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان.....اور.....سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر.....اور.....اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ.....اور.....غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہوسکے

وَ مَا النَّصْرُ اِلاَّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ (القرآن)